لاہور
نعت
بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

"قطعاتِ تاریخ وفات شعرائے نعت گو"

★ — تنویر پھول

ثناگوئے احمدؐ محمودِ مکرّم حنیف اخگر

۲۰۰۹ء

خدا کی حمد اور نعتِ نبیؐ کہنا بہت احسن!
بڑا خوش بخت وہ شاعر ہے جس کا کلام معروف ہے
ہنر وہ پھولؔ رکھتے تھے سخن کا اور ترنم کا!!
"حنیف اخگر ہنرور" کہہ دو، یہ تاریخ رحلت ہے

۱۴۳۰ھ

سرحت دیر رشید وارثی

۲۰۰۹ء

روانہ ہو گئے مُلکِ عدم کو!
کئی ہیں پھول نے اشعار موزوں
مبارک تھا یہ کارِ نعت گوئی!
رشید وارثی مدّاح میمون!

۱۴۳۰ھ

نظامِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چند پہلو

راجا رشید محمود

پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ (ﷺ) کے نفاذ

کی

لبِ مرگ خواہشوں

کے نام

بُنیادیں

قرآن میں تحقیق وتجسّس کی تحریک — صفحہ ۵ تا ۱۱

نظامِ مصطفیٰ (ﷺ) کا تحفظ۔ حُسنِ معاشرت — صفحہ ۱۲ تا ۱۵

اسلام اور اصلاحِ معاشرہ — صفحہ ۱۶ تا ۱۹

نظامِ مصطفیٰ (ﷺ) میں علم وتعلیم کی حیثیت — صفحہ ۲۰ تا ۳۵

نظامِ مصطفیٰ (ﷺ) میں کتاب ونصاب کی اہمیت — صفحہ ۳۶ تا ۵۱

مسلمانوں کی علمی سرگرمیاں — صفحہ ۵۲ تا ۵۴

شریعت محمدی (ﷺ) کا تیسرا ماخذ: اجتہاد — صفحہ ۵۵ تا ۵۷

احتساب: احادیث مبارکہ کی روشنی میں — صفحہ ۵۸ تا ۶۷

نظامِ مصطفیٰ (ﷺ) کا نفاذ ــــ خواب یا حقیقت — صفحہ ۶۸ تا ۷۱

نظامِ مصطفیٰ (ﷺ) کا نفاذ ــــ کیوں اور کیسے — صفحہ ۷۲ تا ۷۷

نظامِ مصطفیٰ (ﷺ) کے عسکری پہلو کا نمونہ — صفحہ ۷۸ تا ۸۲

انسانی سیرت وکردار کی تعمیر وتہذیب — صفحہ ۸۳ تا ۸۷

خوشحال معاشرے کی بنیاد — صفحہ ۸۸ تا ۹۰

ناپ تول میں کمی اور ملاوٹ کرنے والوں کا انجام — صفحہ ۹۱ تا ۹۳

نمود ونمائش سے گریز — صفحہ ۹۴ تا ۹۶

مسجد کی تعمیر — صفحہ ۹۷ تا ۱۰۰

احتسابِ نفس کی ضرورت — صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۴

تعلیماتِ نبوی (ﷺ) کی عالمگیریت — صفحہ ۱۰۵ تا ۱۰۷

☆☆☆☆☆

قرآن میں تحقیق وتجسّس کی تحریک

قرآن خداوند کریم کی آخری کتاب ہے جس کا خطاب تمام عالمِ انسانیت سے ہے۔ اس میں انسانیت کی بھلائی کے نسخے ہیں۔ جب بھی انسانیت ان پر عمل پیرا ہوئی فلاح یاب ہوگئی۔ غور فرمایئے جس وقت اللہ کی یہ کتاب نازل ہوئی اس وقت کا انسان اپنے اخلاقی کوائف کے اعتبار سے کتنا گیا گزرا تھا۔ اگر قرآن کی روح پرور تعلیمات نے اس بگڑے ہوئے معاشرے کو ایک صالح معاشرے میں بدل دیا تھا' انسانوں کی کایا پلٹ دی تھی اور حالات کا رُخ تبدیل کر دیا تھا' تو ظاہر ہے کہ آج ہم کسی طرح بھی عہدِ جاہلیّت کے اس معاشرے کی طرح نہیں ہیں۔ ہم اگر اپنے تمام مسائل قرآن پاک کی تعلیمات سے حل کریں تو ایک مثالی معاشرہ کیوں وجود میں نہیں آئے گا۔ احکام قرآن کی روشنی میں دنیا آج کیوں امن اور عزّت کی نعمتوں سے بہرہ مند نہیں ہو سکتی!

قرآن کریم ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جس میں عبادت' حکومت' معاشرت' معیشت' تعلیم غرض تمام پہلوؤں پر واضح رہنمائی موجود ہے اور مذہبی ضروریات' روزمرّہ کے افعال واعمال' اجتماعی وانفرادی حقوق' دُنیوی سزاؤں' اُخروی عقوبتوں' روحانی نجات' جسمانی صحت ایسے تمام معاملات کو ایک ضابطے میں منسلک کر دیا گیا ہے۔ اس کی کوئی آیت' کوئی ایک حکم ایسا نہیں جو ارتقا پذیر فکرِ انسانی سے متصادم ہو اس کی رہنمائی نہ کرتا ہو۔ قرآن مجید نے افراد اور اقوام کے لیے ایسے اصول منضبط کر دیے ہیں جو ہر زمانے میں باقی رہیں گے۔ پھر اس کے مندرجات میں مفاہیم اور معانی کی ایسی تہ در تہ خصوصیات ہیں کہ ہر انسان اپنی ذہنی سطح کے مطابق اس سے مستفید ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید کا اُسلوب' اس کی تاریخ گوئی' اس کی پیشگوئیاں اور اس کی فصاحت وبلاغت معجزات کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ خود

قرآن نے مخالفین کو اس جیسی ایک سورت پیش کرنے کا چیلنج کیا' مگر تاریخ نے دیکھا کہ کوئی شخص اس تحدّی کا جواب نہ دے سکا۔ لیکن قرآن کا سب سے بڑا اعجاز اس کی تعلیم ہے۔
انسانیت کی ہدایت کا وہ طریق کار جو قرآن نے پیش کیا' اسے جو فرد یا قوم بھی اختیار کرے' رہتی دنیا تک اس انقلاب آفریں نظام سے اسی طرح مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ قرآن نے جو دین پیش کیا ہے' وہ ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہے۔ یہ ادیان سابقہ کی تغلیط نہیں کرتا بلکہ ان کی صداقتوں کو مانتا ہے۔ اسلام کسی ایک قوم یا کسی ایک نسل کی ہدایت کے لیے نہیں ہے۔ اس عالمگیر پیغام کی حامل کتاب بھی عالمگیر حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کی عالمگیریت اس لحاظ سے ہے کہ وہ کُل انسانیت کے لیے لائحہ عمل ہے' انسانیت کی فلاح و بہبود چاہتی ہے' اس کے لیے پورے ضابطے لاتی ہے' اس کا خطاب دُنیا کے تمام انسانوں سے ہے' اس کا پیغام ہر زمانے میں قابل عمل رہنما ہے' اس میں کسی قسم کی انفرادی' قومی' جنسی یا نسلی محدودیت نہیں۔ دنیا کے ہر ملک اور ہر زمانے کے لیے اس کی عالمگیریت اور ابدیت ایک تحدّی ہے' جس کا جواب ممکن نہیں۔

حضور سرورِ کونین ﷺ سے پہلے جتنے پیغمبرؑ دنیا کی رہنمائی کے لیے تشریف لائے' ان کی تبلیغ کا آغاز معجزات سے ہُوا۔ حضرت مُوسیٰ' حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیائے کرام (علیہم السلام) کے معجزوں کی تفصیلات قرآن مجید میں بھی ملتی ہیں۔ حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی کُفّار یہی کہتے رہے کہ خرقِ عادت کے بغیر ہم آپ کو نبی کیسے مان لیں۔ یہ درست ہے کہ آپ سے معجزات بھی ظاہر ہوئے اور ایسے ایسے معجزات کہ

حسنِ یُوسفؑ' دمِ عیسیٰؑ' ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند' تو تنہا داری

مگر حضور ﷺ نے ان کو اپنی تبلیغ کی بنیاد نہیں بنایا۔ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے بار بار لوگوں سے کہا کہ میرا پیغام سنو۔ یعنی اسے اپنے حواس اور دل و دماغ میں سمیٹو اور دیکھو کہ یہ کتنا بڑا اعجاز ہے۔ مقصد یہ ہُوا کہ قرآن پاک لوگوں کی عقلوں کو سلب کرنے کی بات نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے اس پیغامِ حق کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جس سے عقل کو مرعوب کرنے یا سُلانے کی بات مترشح ہوتی ہو۔ قرآن تو عقل کو بیدار کرتا ہے' اسے حقائق سے مانوس کرنا چاہتا ہے' تاکہ انسان خدا کو پہچانے اور اس

کے شعائر و آیات کو جانچنے میں عقل استعمال کرے۔

اسی طرح اسلام نے نفس کُشی کے بجائے تزکیۂ نفس کو اہمیت دی ہے۔ وہ انسانوں کو دنیا سے نفرت کی راہ نہیں دکھاتا بلکہ اس کے علائق سے بچ کر نکل جانے کو بہادری گردانتا ہے۔ حضور ﷺ کا پیغام رہبانیت نہیں سکھاتا' ترکِ دنیا کا سبق نہیں دیتا بلکہ دنیا میں رہ کر تعلق باللہ پیدا کرنے کو اہم بتاتا ہے۔ قرآن کے نزدیک انسانی سعادت نفس مٹانا نہیں' اس کی اصلاح کرنا ہے' اسے پاک کرنا ہے۔ قرآن مجید نے ایک صالح معاشرے کی تشکیل و تکمیل کی خاطر انسان کو چند پابندیوں کے ساتھ زندگی کی مسرّتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی ترغیب دلائی ہے۔ پابندیاں تزکیۂ نفس کے لیے ہیں۔

قرآن پاک نے کائنات اور خالقِ کائنات کے ادراک کی خاطر انسان کو تفکّر کی دعوت دی ہے۔ عقل کو مختلف طریقوں سے مفلوج کرنے کی پالیسی نہیں اپنائی' بلکہ اسے جِلا بخشنے کے لیے اپنے ایک ایک لفظ میں معانی کے سمندر بھر دیئے ہیں۔ زمین و آسمان کے تمام حقائق اس میں موجود ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

''اس قرآن میں لوگوں کے لیے حرفوں کے ادل بدل کے ساتھ کائنات کی کُل حقیقتیں بیان کر دی ہیں' البتہ بہت سے لوگ انھیں سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے''۔

سورۂ ملک میں اللہ جل شانہٗ انسان کو کائنات کے نظام پر تنقیدی نظر ڈالنے پر اکساتا ہے۔ البتہ ساتھ ہی واضح کر دیتا ہے کہ اس ناقدانہ نگاہ سے سوائے اس کے کچھ حاصل نہ ہوگا کہ انسان نادم ہو اور تسلیم کرے کہ خدا کے نظام میں کوئی کمزوری نہیں۔

''تو خدا کی صنعت و کائنات میں کوئی خلل نہ پائے گا۔ تو نظر ڈال کر دیکھ لے' کہیں تجھ کو خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ' آخر نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی''۔

پھر فرمایا:

''عنقریب ہم ان کو نفسِ انسانی کے اندر اور باہر اپنی نشانیاں دکھائیں گے' حتیٰ کہ ان پر قرآن کی صداقت ثابت ہو جائے''۔

''نفسِ انسانی کے اندر اور باہر اپنی آیات دکھانے'' سے اللہ تعالیٰ نے کئی علوم سائنس'

نفسیات، طبعیات، حیاتیات وغیرہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور صرف چند علوم نہیں، قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ اس میں ''ہر خشک و تر کا علم موجود ہے''۔ جگہ جگہ اس نے اپنے قارئین کو قوانینِ فطرت اور مناظرِ قدرت پر غور و فکر کی اہمیت سے آگاہ کیا ہے۔ دن رات کا ایک طرح سے آنا، موسموں کی تبدیلی، چاند اور سورج کی گردش، بارش سے زمینِ مُردہ کا سرسبز و شاداب ہونا اور اسی طرح کے دوسرے مظاہر پر غور کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ قرآن مجید نے سیکڑوں مرتبہ مشاہدۂ فطرت کی دعوت دی ہے اور زمین و آسمان کی سب چیزوں کی تخلیق پر غور و فکر کرنے اور تحقیق کرنے والوں کو بندگانِ خاص بتایا ہے، کیونکہ وہ غور کریں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ اللہ نے دنیا میں ہر چیز کسی خاص مقصد کے تحت پیدا کی ہے اور تحقیق کریں گے تو اس مقصد کو حاصل کر لیں گے۔ قرآن نے تلاش و تحقیق اور غور و فکر کی یہ دعوت ان الفاظ میں دی ہے:

''وہ لوگ زمین و آسمان میں غور و فکر کرنے کے بعد یہ اعلان کرتے ہیں کہ اے خدا! تو نے کوئی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی''۔

قرآن میں ہمارے لیے ہر موقع کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ اس نے جو ہمیں بار بار ''تَتَفَکَّرُوْا'' اور ''تَتَدَبَّرُوْا'' کی ہدایت کی ہے، یہی تو سائنس ہے۔ تحقیق و تجسس کے جس حکم پر ہم نے من حیث القوم توجہ نہیں دی، اس کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھا اور محض اس کے الفاظ پڑھ کر سر دُھننے ہی کو اہمیت دیتے ہیں اور قرآن کو یا تو برکت کے حصول کے لیے طاقِ نسیاں پر رکھتے ہیں یا کسی کی موت آسان کرنے کے لیے پڑھتے ہیں..... تحقیق و تجسس کی اسی راہ پر چل کر لوگ چاند پر پہنچ چکے ہیں، مریخ تک جانے کے لیے پرفشاں ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم خدا کے اس حکم کے مصداق بن رہے ہوں: ''ان کے دماغ ہیں مگر وہ سوچتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر وہ سُنتے نہیں، یہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر''۔ آخر ہم قرآن کے ارشادات پر کان کیوں نہیں دھرتے، اپنے دماغوں اور آنکھوں سے کام کیوں نہیں لیتے، کائنات میں غور کیوں نہیں کرتے، اہم یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ علم الکلام کی بحثوں سے زیادہ اس قسم کے غور و فکر کی اہمیت ہے اور جن مسلمانوں نے اللہ کے احکام پر عمل کیا، سائنس ان کی مرہونِ منت ہے۔

ابن الہیثم، جابر ابن حیان، بوعلی سینا، خوارزمی، ابو العباس فرغانی، الزرقانی اور ابن رشد جیسوں کو دنیائے سائنس کبھی فراموش نہیں کر سکتی ہے، اور کیا انھوں نے یہ سائنس قرآن ہی میں غور و فکر سے نہیں سیکھی تھی؟ انھوں نے اور ایسے دوسرے مسلمان موجدوں اور سائنس دانوں نے یہ علوم کسی ''مغرب'' سے نہیں حاصل کیے تھے۔ اس وقت مغرب یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان علوم میں اس کی بھی کوئی حیثیت ہوگی۔ مگر چشمِ دنیا نے حیرت سے یہ تماشا دیکھا کہ متذکرہ سائنس دانوں کے نام لیوا اور قرآن پاک کے ماننے والے آپس ہی میں فروعی بحثوں میں اُلجھ کر رہ گئے اور دوسروں نے کائنات میں غور و فکر کو عادت بنا لیا اور چاند تک جا پہنچے۔

باری تعالیٰ نے ہمیں کیسے لطیف پیرائے میں کائنات کو تحقیق کی آنکھ سے دیکھنے پر اُکسایا ہے:

''کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ یہ کیسے پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح رفعت دی گئی ہے اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح نصب کیے گئے ہیں اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے''۔

جدید سائنس ابھی اس حقیقت کی تلاش میں ہے کہ اجرامِ فلکی پر جاندار ہیں یا نہیں، لیکن قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ فرما دیا تھا:

''آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور جو جاندار ان میں پیدا کیے ہیں، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں''۔

سائنس نے ہوائی جہاز آج بنایا ہے، لیکن قرآن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جو واقعات بیان کیے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے خدا پرست انسان نے ہوا مسخر کر رکھی تھی اور ایک ماہ کا سفر اس کے لیے ایک دن کا سفر ہوا کرتا تھا۔ بلقیس کا تخت لانے والے ولی اللہ کے ذکر سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ہوا اور وقت کو تسخیر کر رکھا تھا۔

سورۂ انشقاق میں ہے:

''اور ہمیں چاند کی اس حالت کی قسم جب وہ ستّے کا کام کرتا ہے، تم لوگ اس کے ذریعے ایک طبقے سے دوسرے میں سوار ہو کر جاؤ گے، پھر ان کا کیا ہوگا جو ایمان نہیں

لائے''۔

''تسق'' کا معنی ہے: پانی پلانا' مشکیں بھر بھر کر پانی کو اتارنا چڑھانا۔ چاند کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ فرما کر ثابت کر دیا کہ سمندروں کا مدّو جزر بھی اسی کی کشش سے ہوتا ہے۔ دوسرے یہ اشارہ بھی ہے کہ چاند میں پانی ہے۔

''لتسرکبن'' سے کسی قسم کی سواری مراد ہے۔ یعنی تم کسی سواری میں سوار ہو کر وہاں جاؤ گے۔ اس آیت کے آخر میں ''فما لھم لا یؤمنون'' سے ایمان نہ لانے والوں کے انجام کے متعلق بھی اشارہ فرما دیا۔

صرف چاند ہی کا ذکر کیا' سورۂ لقمان میں ہے:

''تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب کو خدا نے تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں''۔

یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو واضح اعلان فرما دیا ہے کہ انسان کے لیے اس نے زمینوں آسمانوں کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہے' اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم تحقیق و جستجو سے وہ منزل پالیں جس کی طرف ہمیں توجّہ دلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

''اور اس نے سورج اور چاند کو تمھارے لیے مسخر کر کے کام پر لگا دیا ہے' ہر ایک وقتِ مقررہ پر چلتا رہے گا' یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اور یہ اسی کی سلطنت ہے''۔

لیجیے! ہم تو تسخیرِ قمر کی کوششوں پر حیران و ششدر ہو رہے تھے اللہ نے ہمیں سورج کو تسخیر کرنے کی بشارت بھی سنا دی ہے۔

سائنس کے کسی بھی پہلو کو دیکھیں' قرآن نے ہمیں اس کی بنیاد فراہم کر دی ہے۔ نباتات کو دیکھیے تو قرآن پاک میں آسمانوں سے پانی برسا کر اس سے رنگ برنگے میوے اگانے کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔ پھر ان کے جوڑوں کا بھی ذکر ہے۔ جدید سائنس پر سالہا سال کے غور و فکر کے بعد اب یہ حقیقت کھلی ہے کہ نباتات میں بھی نر مادہ ہوتے ہیں۔ قرآن پاک نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ بات بتا دی تھی۔ جمادات کی بات چھیڑیں تو سورۂ الحدید میں ہے: ''ہم نے فولاد نازل کیا' جس میں زبردست طاقت ہے اور تمھارے لیے بے شمار فائدے ہیں''۔

جغرافیائی مطالعے کا ذکر ہو تو سورۂ الذّاریات میں ہے:

''یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں واضح آیات و دلائل ہیں اور خود تمھارے نفس میں بھی ایسی ہی نشانیاں ہیں' پھر تم اس کے باوجود بھی تحقیق و جستجو نہ کرو گے''۔

ارض کو یونانی میں ''جیو'' کہتے ہیں اور ''تبصرون'' (غور و فکر) کے لیے ''گرافیں'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے' یونانی کے یہ دونوں لفظ ملا کر ''جیوگرافی'' (جغرافیہ) بنایا گیا ہے۔

غرضیکہ تحقیق کریں تو معلوم ہوگا کہ ساری دنیا نے دیگر علوم و فنون کی طرح سائنس کے تمام پہلو بھی حکمت کے اس منبع و مصدر قرآن پاک سے لیے ہیں۔ انسان کی پیدائش اور اس پیدائش کی حکمت کی بات ہو یا حیوانات کی آثارِ قدیمہ کا ذکر ہو یا طبیعیات اور دیگر علوم سائنس کا' ان کی طرف توجّہ قرآن ہی نے دلائی ہے۔ ان کے جن حقائق کی نشان دہی قرآن نے کی ہے' جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے' ان کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم قرآن مجید پڑھتے ہوئے اس کے تقاضوں کے مطابق اپنی عقل کو کام میں لائیں' غور و فکر کریں' تحقیق و جستجو سے کام لیں اور ہر میدان میں دنیا کی قیادت کے اہل بنیں۔

☆☆☆☆☆

نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا تخصص: حُسنِ معاشرت

اسلام میں حاکمیتِ اعلیٰ خالق و مالکِ کائنات کی ہے، انسان خدا کا نائب ہے۔ نہ وہ ہر چیز کا حاکم ہے نہ محکومِ محض۔ افراط و تفریط کی اس دینِ متین میں کوئی گنجائش نہیں، یہاں حسنِ توازن کی کیفیت ہے۔ احترامِ آدمیت اسلام میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے لیکن اس نے نہ انسان کو مادر پدر آزاد ہونے دیا ہے نہ اس پر بے جا قدغنیں عائد کی ہیں۔ اس میں ہر شخص کو زندگی سے استفادہ کرنے کا حق ہے، کسی پہلو کسی فرد، گروہ، خاندان یا نسل کی اجارہ داری نہیں۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے علاقے، نسل، نسب یا ثروت کے اعتبار سے بہتر اور افضل نہیں۔ دنیا کے کئی اور نظام بھی احترامِ آدمیت کے دعوے دار ہیں لیکن اگر وہ انسان کے حقوق کا نعرہ لگاتے ہیں تو اس کے فرائض کی تعیین حکمران طبقہ اپنی مرضی سے کرتا ہے اور اس میں آزادیِ فکر اور آزادیِ رائے کا تصوّر ناپید ہو جاتا ہے، اس کا ذہن اس کا ضمیر رہن رکھ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ غیر اسلامی نظام انسان کے فرائض کا ذکر کرتے ہیں تو حقوق میں گھپلا کر جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے نزدیک آدمیت صرف انسان ہونا نہیں ہے بلکہ اچھا انسان ہونا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس خدائی نظام میں ہر فرد کی بنیادی ضروریات پورا کرنے کی حد تک مُساوات کی اہمیت ہے مگر فوقیت اسی کو ہے، جو اچھا انسان ہے۔ اس کے لیے اسلام نے کچھ حدود و قیود متعیّن کر دی ہیں۔ کوئی شخص معاشرتی بُرائیوں سے جس قدر بچا ہُوا ہے، جتنا خدا اور رسول ﷺ کے احکام کا پابند ہے، اسی قدر بہتر انسان ہے، اس کا احترام اسی نقطۂ نظر سے کیا جائے گا۔

انسانیت کے اس کامل ترین ضابطۂ حیات میں کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر فوقیت نہیں دی گئی، کوئی کالا ہو یا گورا، عُسرت زدہ اور مفلوک الحال ہو یا صاحبِ ثروت، قریشی ہو یا میراثی، حجاز کا رہنے والا ہو یا افریقہ کا، اگر متّقی ہے، شرافت کی راہوں پر چلتا ہے، معاشرے

کے تمام حقوق کی پابندی کرتا ہے تو اللہ کے نزدیک اکرم ہے۔ اگر اس کے برعکس کوئی فرد نسبی اور نسلی لحاظ سے بڑا ہے، مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کا رہنے والا ہے، کروڑ پتی بھی ہے لیکن نیک نہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ڈگر کا راہی نہیں، اگر وہ فطرت کی متعیّن کردہ حدود کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے رویے نہیں بناتا ہے تو وہ چوپایوں کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی بدتر۔

اسلام خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے مگر ہم اہلِ اسلام (اِلّا ماشاء اللہ) نفس پرستی کے خوگر ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ ضابطۂ اخلاق کی عدم موجودگی میں حسنِ معاشرت کا تصوّر ہی پیدا نہیں ہو سکتا اور ہم بدقسمتی سے اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہوتے جا رہے ہیں۔ پھر ایسی آوازیں بھی ہر وقت ہمارے کانوں میں "رس" گھولتی رہتی ہیں، جو اخلاق پر یقین ہی نہیں رکھتیں، جن کی بنیاد ہی بداخلاقی پر ہے۔ ان حالات میں ہم میں سے ہر شخص معاشرتی بُرائیوں کی جڑ ہے، ہم اپنے نفس کے کہنے میں آ کر حقوق العباد غصب کرتے ہیں۔ اسی کے چکر میں ہم دروغ گوئی، بددیانتی، ناجائز منافع خوری، رشوت، ملاوٹ اور دیگر معاشرتی خرابیوں میں غرق ہوتے جا رہے ہیں۔

سرکارِ دو عالم نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے محض اخلاق کے فروغ کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ اللہ کریم جل شانہٗ نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کو صاحبِ خُلقِ عظیم فرمایا ہے؛ لیکن ہم خدا اور اس کے پیارے محبوب کے نام لیواؤں نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم اخلاقی اصولوں کی اپنی زندگیوں میں کس حد تک پاسداری کرتے ہیں۔ پسندیدہ اور ناپسندیدہ صفات کی جو تخصیص سرورِ کائنات ﷺ نے اپنے پیغام اور عمل میں فرما دی ہے، وہ ہماری نظروں سے تو اوجھل ہو گئی۔ ہم یہ جانتے ہوئے بھی کہ حقوق العباد کسی طرح بھی معاف نہیں کیے جا سکتے، انھیں غصب کرنے کو شعار بنائے ہوئے ہیں۔ ہم پر سب سے پہلے اپنی ذات کے حقوق ہیں، پھر کیا ہم اپنی جانوں پر ظلم نہیں کرتے۔ ہم پر ہمارے والدین کے حقوق ہیں، کیا ہم سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ انھیں ادا کرنے میں ہم سے کوتاہیاں نہیں ہوتیں۔ اسی طرح اولاد کے حقوق ہیں، جن سے ہم صرفِ نظر کیے ہوئے ہیں۔ رشتہ داروں کے اساتذہ کے حقوق ہیں جن کی طرف سے ہم آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔ اسلام میں عورتوں کے حقوق پر زور ہے، مگر ہم انھیں "رُسوا سرِ بازارے" کرنے کے حق کے سوا کچھ حق دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ عورتوں پر

مردوں کے حقوق ہیں، جن کو ادا کرنے کے بجائے وہ شانہ بشانہ اور قدم قدم چلنے کی مُدّعی ہیں۔ حکومت پر عوام کے حقوق ہیں، اسی طرح اہلِ ملک اور اہلِ شہر پر حکومت کے حقوق ہیں، جنہیں پورا کرنا اسلام کی رُو سے ضروری اور لابُدی ہے۔

ہم توحید و رسالت پر ایمان رکھنے کے مُدّعی ہیں، اگر ہم اپنے گریبان میں جھانکنے کی زحمت گوارا کریں تو خدا پر ایمان رکھنے کی صورت میں اس کے معاشرت کے بارے میں ان واضح احکام سے سرتابی کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر ہم حضور پُرنور ﷺ کی رسالت اور سرکار ﷺ کے احکام کی اہمیت کو سمجھتے ہوں تو ان کی سیرت اور ان کے پیغام کے ان پہلوؤں سے صَرفِ نظر کی جرأت کس طرح ممکن ہے۔ اگر اُخروی زندگی پر ہمیں یقین ہو اور ہم محض زبان ہی سے اس کے اقرار سے اپنے آپ کو دھوکا دینے میں مصروف نہ ہوں۔ اور ہمیں معلوم ہو کہ ہمیں اپنے اعمال و افعال کے لیے جواب دہ ہونا ہے تو ہم معاشرے کو اسلام کی برکات سے متمتع ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔

ہمارے آقا و مولا نے فرمایا: "جو حسد کرے وہ ہمارے راستہ پر نہیں ہے" دوستو! ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم پر دن بھر میں اس مَرض کے کتنے حملے ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ کیا ہم سوچتے ہیں کہ ہم رحم سے محروم ہونے کی کون سے ڈگر پر پہنچ چکے ہیں۔ سرکار ﷺ کا ارشاد ہے: شبِ برأت کو اللہ سب کو بخش دیتا ہے سوائے کینہ پرور شخص کے، پھر ہم نے بغض و کینہ کی بیخ کنی کی ہے یا اپنے دلوں میں ہر وقت اس کی تخم ریزی میں مصروف رہتے ہیں۔

خداوند کریم نے جھوٹوں پر لعنت کی ہے، مسلمانوں کو اس سے اجتناب کی تلقین کی ہے۔ دروغ گوئی سے نفرت اور صداقت شعاری ہمارا طرّہ امتیاز ہونا چاہیے تھا لیکن ہم صدق سے مُجتنب ہیں اور جھوٹ کے دھنی۔ اُخوّت کا تصوّر ایک اسلامی معاشرے کی اساس و بنیاد ہے۔ اللہ نے فرمایا: تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان اپنے دوسرے بھائی کا آئینہ ہے مگر ہمارے معاشرے میں بھائی کے ساتھ ناگفتہ بہ سلوک روا رکھا جاتا ہے اور آئینوں کی کرچیاں ہمارے پاؤں میں چبھ رہی ہیں۔

ایثار، سخاوت، امانت و دیانت، خدمت، عفو و درگزر، عدل و انصاف، حُسنِ معاملت، باہمی

اتحاد و اتفاق اور اُخوت و یگانگت، سیکڑوں پہلوؤں سے اسلام نے ہمیں انسانوں کی طرح رہنا سکھایا ہے مگر ہم ان تعلیمات کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ اسلام میں انسانی جان کی حُرمت بہت زیادہ اہم ہے مگر ہم اس کے ضیاع میں شب و روز مصروف ہیں۔ قتل و غارت گری اب روزمرّہ کا درجہ اختیار کرتی جا رہی ہے۔ رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ لعنت کرتا ہے مگر ہمارا اس کے بغیر کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔ ناپ تول میں کمی کرنے والوں اور ارتکاز و اکتنازِ زر کے مرتکبین کے لیے قرآن پاک میں سخت وعیدیں ہیں مگر ہم دولت کے حصول کی دوڑ میں خدا سے ڈرنے کے بجائے اپنے کم امیر ہو جانے سے ڈرتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک عائلی زندگی کی بنیاد شرافت، حیا، دینداری، عصمت و عفّت اور حُسنِ سیرت پر ہے، ہم نے بنگلہ، کار یا جہیز کو اہمیت دے رکھی ہے۔ قرآن مجید فرقانِ حمید میں جگہ جگہ عہد کی پابندی اور پاسداری کی اہمیت بیان کی گئی ہے مگر ہم بدعہدیوں کے سائے میں پل رہے ہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ کی حیاتِ پاک نے ہمیں گزرگاہوں اور بستیوں کی حفاظت، بازاروں اور گلی کوچوں کی صفائی، بیٹھنے اٹھنے چلنے پھرنے غرضیکہ زندگی کے ایک ایک لمحے کے آداب سکھائے ہیں، مگر یہ سب کچھ ہمارے کرداروں میں عنقا ہے۔

کچھ افراد اور جماعتیں سیاست میں شرافت کو رواج دینے کی بات کرتے ہیں، بہت اچھی بات ہے لیکن کیا یہ صرف باتیں ہی تو نہیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی تو پیدا ہوں جو معاشرے کی اصلاح کی بات کریں۔ معاشرہ پاکیزہ ہوگا، اسلامی اصولوں سے مُزیّن ہوگا تو ہر شعبۂ زندگی درست ہو جائے گا۔ کسی بھی نظام کو چلانے والے لوگ اگر صالح نہیں ہوں گے تو نتائج کبھی اچھے پیدا نہیں ہو سکتے۔

آپ گھر میں ہوں یا گلی میں، محلے میں ہوں یا دفتر میں، بازار میں جائیں یا کاروبار پر ضوابطِ اخلاق کی پابندی کریں، معاشرتی بُرائیوں سے اجتناب کریں، حقوق العباد کا خیال رکھیں، خود اسلام کے نظامِ معاشرت کی خوبیوں سے مستفید ہوں اور دوسروں کو اس کی برکات سے متمتع ہونے کی ترغیب دیں کہ اس کے بغیر نہ ہم اچھے انسان ہیں، نہ اچھے مسلمان۔

(مطبوعہ ماہنامہ "اشرفیہ" مبارکپور۔ جلد ۳۔ شمارہ ۲۷۔ اپریل ۱۹۷۸ء)

☆☆☆☆☆

اسلام اور اصلاحِ معاشرہ

اسلام میں حاکمیتِ اعلیٰ خالق و مالک کائنات کی ہے۔ انسان خدا کا نائب ہے‘ وہ ہر چیز کا حاکم ہے نہ محکوم محض ہے۔ افراط و تفریط کی اس دینِ متین میں کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں حُسنِ توازن کی کیفیت ہے۔ احترامِ آدمیت اسلام میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے‘ لیکن اس نے نہ انسان کو مادر پدر آزاد ہونے دیا‘ نہ اس پر بے جا قدغنیں عائد کی ہیں۔ اس میں ہر شخص کو زندگی سے استفادہ کرنے کا حق ہے‘ کسی پہلو پر کسی فرد‘ گروہ‘ خاندان یا نسل کی اجارہ داری نہیں۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے علاقے‘ نسل‘ نسب یا ثروت کے اعتبار سے بہتر اور افضل نہیں۔

دنیا کے کئی اور نظام بھی احترامِ آدمیت کے دعوے دار ہیں لیکن اگر وہ انسان کے حقوق کا نعرہ لگاتے ہیں تو اس کے فرائض کا تعین حکمران طبقہ اپنی مرضی سے کرتا ہے اور اس میں آزادیٔ فکر اور آزادیٔ رائے کا تصوّر ناپید ہو جاتا ہے‘ اس کا ذہن اس کا ضمیر رہن رکھ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ غیر اسلامی نظام انسان کے فرائض کا ذکر کرتے ہیں تو حقوق میں گھپلا کر جاتے ہیں‘ اس کے برعکس اسلام کے نزدیک آدمیت صرف انسان بلکہ اچھا انسان ہونا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس خدائی نظام میں ہر فرد کی بنیادی ضروریات پورا کرنے کی حد تک اس کی اہمیت ہے مگر فوقیت اسی کو ہے‘ جو اچھا انسان ہے۔ اس کے لیے اسلام نے کچھ حدود و قیود متعین کر دی ہیں۔ کوئی شخص معاشرتی برائیوں سے جس قدر بچا ہوا ہے‘ خدا اور رسول ﷺ کے احکام کا پابند ہے‘ اسی قدر بہتر انسان ہے۔ اس کا احترام اسی نقطۂ نظر سے کیا جائے گا۔

انسانیت کے اس کامل ترین ضابطۂ حیات میں کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر فوقیت نہیں دی گئی۔ کوئی کالا ہو یا گورا‘ عسرت زدہ اور مفلوک الحال ہو یا باثروت‘ قریشی ہو یا میراثی‘ حجاز کا رہنے والا ہو یا افریقہ کا..... اگر متقی ہے‘ شرافت کی راہوں پر چلتا ہے‘ معاشرے کے تمام حقوق کی پاسداری کرتا ہے تو اللہ کے نزدیک اکرم ہے‘ اگر اس کے برعکس کوئی فرد نسبی اور نسلی لحاظ سے بڑا ہے‘ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کا رہنے والا ہے‘ کروڑپتی بھی ہے لیکن نیک نہیں‘

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ڈگر کا راہی نہیں‘ حقوق العباد کا خیال نہیں رکھتا تو وہ ارذل انسان ہے۔ اگر وہ فطرت کی متعین کردہ حدود کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے رویے نہیں بناتا ہے تو وہ چوپایوں کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔

اسلام خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے مگر اہلِ اسلام (الا ماشاءاللہ) خود پرستی کے خوگر ہوتے جا رہے ہیں‘ ہم میں سے ہر شخص جو چاہتا ہے‘ کرتا ہے۔ ضابطۂ اخلاق کی عدم موجودگی میں معاشرت کا تصوّر ہی پیدا نہیں ہو سکتا اور ہم بدقسمتی سے اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہوتے جا رہے ہیں۔ پھر کوئی نہ کوئی غیر اسلامی اور لادینی آواز بھی ہر وقت ہمارے کانوں میں ''رس'' گھولتی رہتی ہے‘ جو اخلاق پر یقین ہی نہیں رکھتی‘ جس کی بنیاد ہی بداخلاقی پر ہے۔ ان حالات میں ہم میں سے ہر شخص نے معاشرتی برائیوں کو اپنا لیا ہے۔ ہم اپنے نفس کے کہنے میں آ کر حقوق العباد غصب کرتے ہیں‘ اسی کے چکر میں ہم دروغ گوئی‘ بددیانتی‘ ناجائز منافع خوری‘ رشوت‘ ملاوٹ اور دیگر معاشرتی خرابیوں میں غرق ہوتے جا رہے ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے محض اخلاق کے فروغ کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اللہ کریم جل شانہٗ نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو ''خُلقِ عظیم'' فرمایا ہے لیکن ہم خدا اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم اخلاقی اصولوں کی اپنی زندگی میں کس حد تک پاسداری کرتے ہیں؟ پسندیدہ اور ناپسندیدہ صفات کی جو تخصیص حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام میں فرما دی ہے‘ وہ ہماری نظروں سے اوجھل تو نہیں ہے۔ ہم یہ جانتے ہوئے بھی کہ حقوق العباد کسی طرح بھی معاف نہیں کیے جا سکتے‘ انھیں غصب کرنے کو شعار بنائے ہوئے ہیں۔ ہم پر سب سے پہلے اپنی ذات کے حقوق ہیں‘ پھر کیا ہم اپنی جانوں پر ظلم نہیں کرتے۔ ہم پر ہمارے والدین کے حقوق ہیں‘ کیا ہم سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ انھیں ادا کرنے میں ہم سے کوتاہیاں نہیں ہوتیں۔ اسی طرح اولاد کے حقوق ہیں‘ جن سے ہم صرفِ نظر کیے ہوئے ہیں۔ رشتے داروں کے‘ اساتذہ کے حقوق ہیں‘ جن کی طرف سے ہم آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔ اسلام نے عورتوں کے حقوق پر زور دیا ہے‘ مگر ہم انھیں رُسوا سرِ بازار کرنے کے ''حق'' کے سوا کوئی حق دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں‘ جن کو ادا کرنے کے بجائے

وہ شانہ بشانہ اور قدم بہ قدم چلنے کی مدعی ہیں۔ حکومت پر عوام کے حقوق ہیں' جو" شاید" سب کے سب پورے ہو چکے ہیں۔ اہلِ ملک اور اہلِ شہر پر حکومت کے حقوق ہیں' جو اغلباً ہر شخص پورا کرنے میں دن رات مصروف ہے۔

ہم توحید و رسالت پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں لیکن اگر ہم اپنے گریبان میں جھانکنے کی زحمت گوارا کریں تو خدا پر ایمان رکھنے کی صورت میں اس کے معاشرے کے بارے میں واضح احکام سے سرتابی کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور سرکارؐ کے احکام کی اہمیت کو سمجھتے ہوں تو ان کی سیرت اور ان کے پیغام کے ان پہلوؤں سے صرفِ نظر کی جرأت کس طرح ممکن ہے۔ اگر اخروی زندگی پر ہمیں یقین ہو اور ہم محض زبان ہی سے اس کے اقرار سے اپنے آپ کو دھوکا دینے میں مصروف نہ ہوں ــــ اور ہمیں معلوم ہو کہ ہمیں اپنے اعمال و افعال کے لیے جواب دہ ہونا ہے تو ہم معاشرے کو اسلام کی برکات سے متمتع ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔

ہمارے آقا و مولا نے فرمایا: "جو خشند کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔ دوستو! ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم پر دن بھر میں اس مرض کے کتنے حملے ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا"۔ کیا ہم سوچتے ہیں کہ ہم رحم سے محروم ہونے کی کون سی ڈگری پر پہنچ چکے ہیں۔

خداوند کریم نے جھوٹوں پر لعنت کی ہے' مسلمانوں کو اس سے اجتناب کی تلقین کی ہے۔ دروغ گوئی سے نفرت اور صداقت شعاری ہمارا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے تھا لیکن ہم صدق سے مجتنب ہیں اور جھوٹ کے دھنی..... اُخوت کا تصوّر ایک اسلامی معاشرے کی اساس و بنیاد ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان اپنے دوسرے بھائی کا آئینہ ہے مگر ہمارے معاشرے میں بھائی کے ساتھ ناگفتہ بہ سلوک روا رکھا جاتا ہے اور آئینوں کی کرچیاں ہمارے پاؤں میں چبھ رہی ہیں۔

ایثار' سخاوت' امانت و دیانت' خدمت' عفو و درگذر' عدل و انصاف' حسنِ معاملت' باہمی اتحاد و اتفاق اور اُخوت و یگانگت سیکڑوں پہلوؤں سے اسلام نے ہمیں انسانوں کی طرح رہنا سکھایا ہے مگر ہم ان تعلیمات کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ اسلام میں انسانی جان کی حُرمت بہت

زیادہ اہم ہے مگر ہم اس کے ضیاع میں شب و روز مصروف ہیں۔ قتل و غارت گری اب روزمرہ کا درجہ اختیار کرتی جا رہی ہے۔ رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ لعنت کرتا ہے' مگر ہمارا اس کے بغیر کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔ ناپ تول میں کمی کرنے والوں اور ارتکازِ و اکتنازِ زر کے مرتکبین کے لیے قرآن پاک میں سخت وعیدیں ہیں' مگر ہم دولت کے حصول کی دوڑ میں خدا سے ڈرنے کے بجائے اپنے کم امیر ہو جانے سے ڈرتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک عائلی زندگی کی بنیاد شرافت' حیا' دینداری' عصمت و عفّت اور حُسنِ سیرت ہے ہم نے بنگلہ' کار' جہیز کو اہمیت دے رکھی ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید میں جگہ جگہ عہد کی پابندی اور پاسداری کی اہمیت بیان کی گئی ہے مگر ہم بدعہدیوں کے سائے میں پل رہے ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ پاک نے ہمیں گزرگاہوں اور بستیوں کی حفاظت' بازاروں اور گلی کوچوں کی صفائی' بیٹھنے اٹھنے چلنے پھرنے غرضیکہ زندگی کے ایک ایک لمحے کے آداب سکھائے ہیں مگر یہ سب کچھ ہمارے کرداروں میں عنقا ہے۔

کچھ افراد اور جماعتیں سیاست میں شرافت کو رواج دینے کی بات کرتی ہیں' بہت اچھی بات ہے...... لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تو پیدا ہوں جو معاشرے کی اصلاح کی بات کریں۔ معاشرہ پاکیزہ ہوگا' اسلامی اصولوں سے مزیّن ہوگا تو ہر شعبۂ زندگی درست ہو جائے گا۔ کسی بھی نظام کو چلانے والے لوگ اگر صالح نہیں ہوں گے تو نتائج کبھی اچھے پیدا نہیں ہو سکتے۔ ہم نے پاکستان' اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا' اگر اسے چلانے والے ہاتھ خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر چلتے تو یہ دولخت نہ ہوتا اور آج ہم جن اجتماعی عوارض کا شکار ہیں' اس کی نوبت نہ آتی..... آپ گھر میں ہوں یا گلی میں' محلّے میں ہوں یا دفتر میں' بازار میں جائیں یا کاروبار پر' ضوابطِ اخلاق کی پابندی کریں' معاشرتی برائیوں سے اجتناب کریں' حقوق العباد کا خیال رکھیں' خود اسلام کے نظامِ معاشرت کی خوبیوں سے مستفید ہوں اور دوسروں کو اس کی برکات سے متمتع ہونے کی ترغیب دیں کہ اس کے بغیر نہ ہم اچھے انسان ہیں نہ اچھے مسلمان۔

(مطبوعہ ہفت روزہ "اسلام" لاہور ۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ ۴ مارچ ۱۹۷۷ء)

نظامِ مصطفیٰ ﷺ میں علم و تعلیم کی حیثیت

علم انسانیت کی وہ منزل ہے جہاں اعلیٰ اخلاق، روشن کردار اور کامل ترین سیرت کی تکمیل ہوتی ہے۔ تہذیب و ثقافت کا معیار، صالح معاشرے کا قیام اور اجتماعی شعور کی پیدائش علم و تعلیم ہی کے باعث ممکن ہے۔ اسلام کو علم کے ساتھ جو گہرا تعلق ہے اس کا احساس اس سے ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے وحی میں پڑھنے کی تلقین کی گئی اور علم و تعلیم اور تصنیف و تالیف کا ذکر کیا گیا۔ سورہ علق کی ان آیات میں خداوندِ قدوس نے انسان کو پیدا کرنے اور اسے علم سکھانے کا ذکر کیا ہے۔ یوں علم و تعلیم کو بنی آدم کی خلقت کے ساتھ ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پھر تخلیقِ آدم کی صفت کو ''رب'' سے منسوب کیا ہے اور نعمتِ علم کے حوالے سے اس نے اپنے آپ کو ''ربِ اکرم'' کہا ہے۔

جن باتوں کا علم پہلے انسانوں کو نہیں تھا ان آیت میں اُن کا بھی ذکر ہے اور اس علم کو محفوظ رکھنے کے لیے قلم سے لکھنا سکھانے کا تذکرہ بھی ہے۔ تاکہ تصنیف و تالیف کے ذریعے آئندہ نسلوں کے لیے علمی سرمایہ جمع ہوتا رہے اور اشاعتِ علم کا مقصد پورا ہوتا رہے۔ اسلام نے حصولِ علم کو جس قدر اہم بتایا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی اور مذہب یا تہذیب میں نہیں ملتی۔ اس مقصد کے لیے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔ ہر مسلمان مرد، عورت پر ہر حالت میں علم کا حصول فرض ہے۔ علم ہوگا تو ہر شے کی غرض و غایت کا پتا چلے گا، موجودات پر غور و فکر کا موقع ملے گا، واقعات کے اسباب و علل سے آگاہی ہوگی، حیوانات، جمادات، نباتات کی تخلیق میں پوشیدہ اسرار و غوامض ظاہر ہوں گے۔ اور نتیجتاً نظر میں حیاتِ انسانی کے مقاصد کو سمجھنے کی توفیق ملے گی۔ قرآن مجید نے تحقیق و تجسس کی اہمیت پر اسی لیے زور دیا ہے۔

قرآن میں حصولِ علم کی ترغیب

قرآن مجید میں لفظ علم مختلف اشتقاقی صورتوں میں ۷۷۸ مرتبہ وارد ہوا ہے: (۱)

○ سورۂ آلِ عمران میں ہے:

''وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا''۔

(آلِ عمران۔۳:۷)

''اور پختہ علم والے کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے''۔ (۲)

حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رَاسِخ فِی الْعِلْم'' وہ عالمِ باعمل ہے، جو اپنے علم کا متبع ہو۔ (۳)

○ ''قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ''۔ (الزمر۔۳۹:۹)

''کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر ہیں؟''۔

○ ''قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْىَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ''۔

(النحل۔۱۶:۲۷)

''علم والے کہیں گے: آج ساری رسوائی اور بُرائی کافروں پر ہے''۔

○ ''اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ''۔ (العلق۔۹۶:۳،۴،۵)

''تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا''۔

سید معصوم علی سبزواری حاشیے میں لکھتے ہیں: ''ان آیات کا خصوصی تعلق اگرچہ علومِ الٰہیہ سے ہے لیکن نوعِ انسان کو علوم دنیاوی جو کچھ بھی حاصل ہوتے ہیں یا زمانۂ ماضی و حال میں جو ایجادات سائنس ہوئیں یا آئندہ ہوں گی، وہ سب فیضانِ الٰہی کا ہی پرتو ہیں''۔ (۴)

○ ''قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ''۔ (النمل۔۲۷:۴۰)

''اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے''۔ (۵)

مفسّرین کہتے ہیں کہ جس شخص کے متعلق قرآن عزیز نے یہ کہا ہے کہ ''اس کے پاس کتاب کا علم تھا'' اس کا نام آصف بن برخیا تھا اور یہ حضرت سلیمان کا معتمدِ خاص اور کاتب

(وزیر) تھا۔ (۶)

O ''وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا''۔ (طٰہٰ۔۲۰:۱۱۴)

''اور عرض کرو کہ اے میرے رب! مجھے علم زیادہ دے''۔

O ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا''۔ (البقرہ۔۲:۳۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام اشیا کے نام سکھائے''۔

یعنی کائناتِ ارضی و سماوی پر خلافتِ انسانی کی بنیاد بھی علم ہی کو قرار دیا گیا۔ ''اس میں حکمت یہ تھی کہ اس خلیفہ کو پیدا کرنے میں ملائکہ پر اپنے بعض علم وقدرت کا اظہار فرما دے جو کہتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر علم والا اللہ تعالیٰ پیدا نہیں فرمائے گا''۔ (۷)

O ''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ''۔ (آلِ عمران۔۳:۱۸)

(اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہلِ علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے)۔ (۸)

O ''تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ''۔

(العنکبوت۔۲۹:۴۳)

(یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور انھیں صرف علم والے سمجھتے ہیں)۔

جو شخص عقل و فکر سے کام لے اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خدا نے اس کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو حقیقتِ ثابتہ کے طور پر پیدا کیا ہے، جس کا ایک خاص مقصد ہے، اور یہ بلا مقصد و غایت پیدا نہیں کی گئی۔ (۹)

O ''قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ''۔ (الرعد۔۱۳:۴۳)

(تم فرما دو اللہ گواہ کافی ہے مجھ میں اور تم میں اور وہ جسے کتاب کا علم ہے)۔ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ علم کتاب کا حامل ہر وہ عالم ہے جو اگلی کتاب کا عالم ہے۔ (۱۰)

O ''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ''۔ (النحل۔۱۶:۴۳)

''اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں''۔

O ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا''۔ (فاطر۔۳۵:۲۸)

(اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں)۔

O ''يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ''۔

(المجادلہ۔۵۸:۱۱)

(اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جنھیں علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا)۔

O ''وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ''۔ (البقرہ۔۲:۲۴۷)

(اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی)۔

نسل و دولت پر سلطنت کا استحقاق نہیں۔ علم وقوت سلطنت کے لیے بڑے معین ہیں اور طالوت اس زمانہ میں تمام بنی اسرائیل سے زیادہ علم رکھتے تھے اور سب سے جسیم اور توانا تھے۔ (۱۱)

O ''وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا''۔ (النمل۔۲۷:۱۵)

(بے شک ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو بڑا علم عطا فرمایا)۔

O ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ''۔ (البقرہ۔۲:۶۷)

(خدا کی پناہ کہ میرا شمار جاہلوں میں ہو)۔

O ''قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ''۔ (الانعام۔۶:۹۷)

(ہم نے علم والوں کے لیے مفصل نشانیاں بیان کر دیں)۔

یعنی وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں یا خدا نے انھیں علم حاصل کرنے کی صلاحیت ودیعت کی ہے، وہی خشکی اور تری کے اندھیروں میں اللہ کی نشانیوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

احادیث میں علم کی اہمیت

اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کے بعد خدا کے محبوب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے ارشادات کا مطالعہ کریں تو علم کی اہمیت اذہان وقلوب میں راسخ ہو جاتی ہے۔ ایک مرتبہ جناب سرورِ

کائنات ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: "جانتے ہو کہ سب سے زیادہ فیاض کون ہے؟" عرض کیا گیا: "حضور فرمائیں تو معلوم ہو"۔ ارشاد ہوا: "سب فیاضوں کا فیاض خدائے عزوجل ہے اس کے بعد میں سارے بنی آدم سے زیادہ فیاض ہوں میرے بعد سب سے بڑا فیاض وہ ہے جو علم حاصل کرے اور پھر لوگوں میں اس کی اشاعت کرے"۔ (۱۲)

معلم کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا: "علم حاصل کرو کیونکہ اللہ کی خوشنودی کے لیے علم کی تعلیم لازم ہے۔ علم کی طلب عبادت ہے علم کی تلاش جہاد ہے۔ بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے۔ مستحق لوگوں کو علم سکھانا اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ علم حلال و حرام کے مابین امتیاز کا نشان ہے جنت کے راستوں اور روشنی کا ستون ہے تنہائی میں مونس ہے دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیار ہے دوستوں کی زینت ہے۔ علم کے ذریعے بلندی ملتی ہے"۔ (۱۳)

مسند احمد میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا: "عالم کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسے آسمان پر ستاروں کی ہے کہ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے"۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جو شخص طلب علم کے لیے اپنے گھر سے نکلے تو جب تک وہ واپس نہ آ جائے اس کا درجہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہوتا ہے۔ (ترمذی) طبرانی اوسط میں ہے: سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ کسی عالم کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ علم ہوتے ہوئے خاموش رہے اور کسی جاہل کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ باوجود جہالت کے کسی سے نہ پوچھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہر عقل کی بات مومن کی کھوئی ہوئی دولت ہے۔ وہ اسے جہاں سے بھی مل جائے حاصل کر لینی چاہیے کیونکہ وہ اس کا سب سے بڑا حق دار ہے۔ (ترمذی) (۱۴)

حدیث پاک میں ہے: "علم کے طالب کے لیے ہر چیز دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں" (۱۵)۔ ایک اور مقام پر سرور عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا: "نبوت سے قریب ترین درجہ عالم اور مجاہد کا ہے" (۱۶)۔ ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے" (۱۷)۔

رسول خدا ﷺ نے ہمیں علم میں روز افزوں ترقی کے لیے کوشاں ہونے کی تعلیم ان الفاظ میں دی۔ "جب مجھ پر ایسا دن آئے کہ میں علم میں ترقی نہ کروں جو مجھ کو اللہ عزوجل کے قریب کر

دے تو اس روز کے طلوع میں میرے لیے کوئی برکت نہ ہو" (۱۸)۔ الدارمی میں ہے: جس شخص کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ احیائے دین کے لیے تحصیل علم میں مشغول ہو تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان محض ایک درجے کا فرق ہوگا (۱۹)۔ پھر فرمایا: "رات کو تھوڑی دیر پڑھنا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے" (۲۰)۔ مسلم شریف میں ہے: "جس شخص نے طلب علم کے لیے سفر اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہشت کی راہ آسان فرما دی" (۲۱)۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے اثبات علم کے باب میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ علم فقہ کو جانے بغیر عبادت کرنے والا اس گدھے کی مانند ہے جو دن بھر خراس میں جتا رہا اور شام کو جہاں تھا وہیں رہا (۲۲)۔

علم کے بارے میں مفکرین ملت کی آرا

لغات القرآن کے مؤلف نے "المصباح المنیر" کے حوالے سے علامہ احمد فیومی کی رائے لکھی ہے کہ "علم کہتے ہیں یقین کو چنانچہ علم یعلم کا استعمال کسی بات کے یقین کرنے کے لیے ہوا کرتا ہے۔ نیز علم کے معنی معرفت کے اور معرفت کے معنی علم کے بھی آیا کرتے ہیں (۲۳) اور امام راغب نے لکھا ہے: "ایک حیثیت سے تو علم کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نظری اور عملی۔ نظری تو وہ جو صرف علم ہی سے مکمل ہو جائے جیسے کہ عالم کا علم ہے۔ اور عملی وہ جو بغیر عمل کے تکمیل نہ پائے جیسے کہ عبادات کا علم ہے اور دوسری حیثیت سے اس کی دو قسمیں عقلی اور سمعی ہوتی ہیں" (۲۴)۔

لقمان کی نصیحت تھی کہ "علما کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو نور حکمت سے ویسے ہی زندہ کر دیا کرتا ہے جس طرح کہ زمین کو برسات کے پانی سے زندہ کرتا ہے" (۲۵)۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: "انسان میں جتنی علم و فضل کی کمی ہوتی ہے اتنی ہی اس کی قدر و قیمت بھی کم ہوتی ہے" (۲۶)۔

اسحاق بن ابراہیم کے نزدیک علم ضرور حاصل کرنا چاہیے کیونکہ علم ہدایت کی راہ دکھاتا

ہے اور ہلاکت سے بچاتا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: علم کا ایک باب سیکھنا اور اس پر عمل کرنا دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے (۲۷)۔

حضرت ابو علی ثقفی نے فرمایا: ''علم حیات قلب ہے جہالت کی موت سے اور چشم یقین کا نور ہے' کفر کی ظلمت سے''۔ حضرت ابو یزید بسطامی فرماتے ہیں: ''میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر مجھ پر کوئی چیز سخت ترین محسوس نہ ہوئی سوائے علم اور اس کی اتباع سے'' (۲۸)۔

ابن سینا کے نزدیک حکمت تین علوم پر مشتمل ہے: منطق طبیعیات اور الٰہیات۔ ابن سینا حکمت سے علم مراد لیتے ہیں اور علم کو ترقی پذیر سمجھتے ہیں (۲۹)۔

امام غزالی کے نزدیک علم کی فضیلت اضافی نہیں کہ پیمانوں اور معیاروں کی محتاج ہو بلکہ حقیقی واصلی ہے۔ یہ بیک وقت اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے' ملائکہ کی بھی خوبی ہے اور انبیاءؑ بھی اسی کی بدولت عالمِ بشری پر فوقیت رکھتے ہیں (۳۰)۔ غزالی نے فرمایا کہ طلبہ کو وہ علم پڑھایا جائے جو ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مفید ہو (۳۱)۔

''کشف المحجوب'' میں اولین بحث علم ہی کے موضوع پر کی گئی ہے۔ داتا گنج بخشؒ بھی فرماتے ہیں کہ چونکہ عمر کوتاہ ہے' اس لیے تمام علوم کا سیکھنا فرض نہیں کیونکہ یہ ممکن بھی نہیں اور فائدہ مند بھی نہیں۔ ضرورت کے مطابق علوم سیکھو کہ کام آئیں (۳۲)۔

ابن رشد نے یہ ثابت کیا ہے کہ نظری علوم ادراکِ حقائق کے لیے کافی ہیں اور علومِ کشفیہ کی ضرورت نہیں (۳۳)۔

ابن خلدون کے نزدیک علم کا عرفان انسانی معاشرے کے لیے فطری ہے کہ یہی چیز اسے دوسرے حیوانوں سے ممیز کرتی ہے' یہی چیز اسے لوگوں سے اشتراکِ عمل' اقتصادی روابط' لین دین اور معاشرے میں زندہ رہنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ اس لیے علم کی تحصیل میں بھی دوسری صنعتی مہارتوں کی طرح انہماک اور شغف کے ساتھ عمدہ تکنیک کی ضرورت ہے (۳۴)۔

مفکرِ ملت' خالقِ تخیلِ پاکستان علامہ اقبال کے نزدیک علم ہی سے انسانی عقل کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے' جس کی مدد سے وہ تسخیرِ عالم کرتا ہے:

علم از سامانِ حفظِ زندگی ست — علم از اسبابِ تقویمِ خودی ست

علم و فن از پیش خیزانِ حیات — علم و فن از خانہ زادانِ حیات

علامہ اقبال علم کو تو ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے ذریعے فقر کی منزل تک رسائی کی تحریک دلاتے ہیں:

علم فقیہ و حکیم' فقر مسیح و کلیم — علم ہے جویائے راہ' فقر ہے دانائے راہ
علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد — فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
(۳۵)

خواجہ غلام السیدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں: علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے مگر علم' علمِ حق کی ابتدا ہے۔ وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا' وہ علمِ حق کی آخری منزل ہے۔ اس کا دوسرا نام عشق ہے (۳۶)۔

علامہ اقبال' پروفیسر کلارک آف لندن یونیورسٹی کے اس تعلیمی نظریئے سے پوری طرح متفق ہیں کہ ہر نظامِ تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ نئی نسلوں کو اس قوم کے اجتماعی نصب العین سے بہرہ مند کیا جائے (۳۷)۔

علامہ اقبال نے معاشی ضروریات کے حصول کے لیے حاصل کیے جانے والے علم کو ملتِ مسلمہ کے حق میں زہرِ قاتل قرار دیا ہے:

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں — جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کفِ جو

دینِ متین میں تعلیم کی اہمیت

اسلام نے تعلیم کو انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیا۔ اس دینِ برحق کے علاوہ دنیا کے کسی دوسرے مذہب یا معاشرے نے علم و تعلیم کو انسانیت کی بنیادی ضرورت تسلیم نہیں کیا۔ اسلام نے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کا پابند کیا ہے کہ مسلم معاشرے کے ہر فرد کو بلاامتیازِ تذکیر و تانیث' تعلیم دینے کا اہتمام ہو۔ فرد اور معاشرہ' پھر افراد میں عورت اور مرد' سب کی یہ ذمہ داری ہے کہ علم و تعلیم کو عام کریں۔ حکومت پر یہ فرض ہے کہ وہ تمام رعایا کی تعلیم کا مناسب انتظام کرے۔ دولت مند اور باثروت اشخاص کو اسلام نے تشویق و تحریک کا

اہتمام کیا ہے کہ وہ عام تعلیم کے لیے اپنے وسائل دولت کو استعمال میں لائیں۔ ماں باپ پر فرض عائد ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے ضروری بندوبست کریں۔ پھر اسلام کے حوالے سے ہر شخص ذاتی طور پر پابند ہے کہ علم حاصل کرے اس سلسلے میں "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْن" کی حیثیت حدیث کے طور پر اگرچہ نزاعی اور اختلافی ہے لیکن اس قول کی روح قرآن و سُنّت کی تعلیمات سے متعارض نہیں ہے۔ حصولِ علم کے لیے سفر کی فضیلت اور علم کے کہیں سے بھی حاصل کرنے کی تشویق احادیث مقدسہ میں پائی جاتی ہے۔

تعلیم کا مقصد انسان کی مخفی صلاحیتوں کو صیقل کرنا اور قوت تخلیق کی نشوونما کرنا ہے۔ اگر کوئی نظامِ تعلیم زندگی کو انفرادی اور اجتماعی مشکلات سے نکالنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کی افادیت شاذ ہے۔ اسلام تعلیم کے ذریعے تعمیر سیرت و کردار کا مقصدِ اعلیٰ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ طالب علم ماضی کے علوم و تجربات کی تعلیم حاصل کرے تاکہ مستقبل کے لیے تیار ہو سکے۔ اس طرح ماضی میں جہاں تک پہنچا جا چکا ہے اس سے آگے بڑھا جا سکتا ہے۔

حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت کے وقت صرف سترہ آدمی پڑھنا لکھنا جانتے تھے، مگر سرکار ﷺ کے حکم سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ نعمت عام ہو گئی اور تعلیماتِ نبوی کی رُو سے نوشت و خواند اسلامی معاشرے کا اہم فریضہ قرار پایا۔ اسلام کے تعلیمِ عام کے تصوّر کی برکتوں سے نسل و رنگ، تذکیر و تانیث اور بندہ و آقا کی تفریق و تفاوت کے علی الرغم سب لوگ مستفید ہوئے۔ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لکھتی نہیں تھیں، پڑھ سکتی تھیں اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھیں۔

ہجرت سے کوئی دو سال پہلے حضور رسولِ انام علیہ السلام نے ایک تربیت یافتہ مُعلّم کو مدینہ روانہ کر دیا تھا، جو وہاں کے مسلمانوں کو قرآن پاک اور مبادیاتِ دین کی تعلیم دے (۳۸)۔

ہجرت کے بعد حضور پُرنورؐ بے شمار اور بے حد اہم مصروفیات میں سے وقت نکال کر شخصی طور پر ناخواندگی کو دور کرنے کی کوششوں کی نگرانی فرماتے تھے۔ سعید بن عاصؓ کو آپ نے لکھنے پڑھنے کی تعلیم دینے پر مامور فرمایا تھا۔

جنگِ بدر میں گرفتار ہونے والے کُفّار کا فدیہ حضور ﷺ نے یہ مقرر فرمایا کہ وہ دس دس

بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ (ابن سعد، مسند ابن حنبل)

قبائلی وفود کے ساتھ کسی تربیت یافتہ صحابیؓ کو تعلیم و تدریس کے مقصد سے بھیجا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضور ﷺ مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے تو کچھ لوگ عبادت میں اور کچھ تعلیم و تعلّم میں مصروف تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: دونوں ہی اچھا کام کر رہے ہیں البتہ علم حاصل کرنے اور جہالت کو دور کرنے والے زیادہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا: "سچ تو یہ ہے کہ میں خود بھی مُعلّم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

عہدِ رسالت میں مہاجرین میں تین (حضرت عمرؓ، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم) اور انصار میں تین حضرات (حضرت زید بن ثابت، معاذ بن جبل اور اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہم) کو فتویٰ دینے کا حق تھا۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم مشہور فقیہ تھے (۳۹)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ۵۳۶۴، ابن عمرؓ سے ۲۶۳۰، ابن عباسؓ سے ۱۶۶۰، جابرؓ سے ۱۵۴۰ حدیثیں مروی ہیں۔ چودہ صحابی مُفسّرِ قرآن تھے جو قرآن پاک کی فقہی اور تاریخی آیتوں کے متعلق نہایت کافی معلومات رکھتے تھے۔ باوجودیکہ ایک مدت تک قدیم یونانیوں کی طرح تعلیم و تعلّم جو کچھ تھا زبانی تھا۔ تاہم سیکڑوں ہزاروں اشخاص ان مسائل کے سیکھنے سکھانے میں مصروف تھے اور تمام ممالکِ اسلامیہ میں حدیثیں اور فقہ کے مسائل اسی تیزی سے رواج پا رہے تھے جس طرح خود اسلام عالمگیر ہو رہا تھا (۴۰)۔

حدیثِ رسولِ کریم ﷺ کی بدولت عربی زبان و ادب میں بعض نئے افکار بھی داخل ہوئے جو پہلے بالکل ناپید تھے، مگر تعلیمات و ارشاداتِ نبوی کی روشنی میں عرب شعرا، ادبا اور کاتبوں کی زبان پر عام ہو گئے۔ خطباتِ نبوی کے ممتاز اُسلوب کی جھلکیاں آج تک کے خطبوں اور تقریروں پر اثر انداز ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے عربی خط کتابت پر بھی گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ حضور ﷺ سے پہلے شیریں ترین شعر وہ ہوتا تھا جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مبنی ہو مگر آقا ﷺ کے ارشادات کا عربی شاعری پر یہ اثر پڑا کہ صدق و امانت کے مضامین شعر و سخن کی زینت بننے لگے۔ حدیث میں محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کے قول و فعل و قلم

بند کرنے کی ضرورت نے عربوں کے ہاں تاریخ نویسی کو فروغ دیا۔ تاریخ مشاہیر، تذکرہٴ شخصیات اور علم التراجم کو مدوّن کرنے کا شوق علمِ حدیث کی روشنی میں پیدا ہوا۔ ''حدیثِ رسول ﷺ نے علم الانساب، فقہ، عقائد اور علم الکلام پر بھی کافی اثر ڈالا اور ان علوم کے لیے معلوماتی مواد مہیا کیا بلکہ بعض کی ایجاد کی تحریک بھی کی'' (۴۱)۔

اسلام سے پہلے دنیا کی مختلف تہذیبوں میں تعلیم کے مختلف تصوّر موجود ہے۔ مثلاً سپارٹا کی تعلیم کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ شہریوں کو ایک فوجی ریاست اور اس کے جملہ تقاضوں کے لیے تیار کیا جائے (۴۲)۔ افلاطون کا خیال ہے کہ تعلیم کا مقصد انسان کی پوری شخصیت کی تکمیل ہے (۴۳)۔ سقراط کا خیال ہے کہ انسان اس لیے بد ہے کہ اس کو نیکی کا علم نہیں، اگر اس کو نیکی کا علم ہو جائے تو وہ بہتر انسان بن جائے۔ لہٰذا پہلی بات اپنی جہالت کا اعتراف کرنا ہے (۴۴)۔ قدیم اٹلی والے انسان کو مردِ میدان اور ایک اچھا شہری بنانا تعلیم کا مقصود سمجھتے تھے (۴۵)۔ لیکن اسلام کا تصوّرِ تعلیم ہر لحاظ سے ہمہ گیر ہے۔ یہاں اس کے ذریعے فرد کے تزکیہٴ نفس اور ارتقائے شعور اور احساس کے ساتھ معاشرے کی تطہیر اور اجتماعی بہبود پیشِ نظر ہے۔ اسی لیے خداوندِ کریم نے علم و تعلیم کی فضیلت بیان کی ہے اور محبوبِ خالق و مالک ﷺ نے بھی علم کی اہمیت کو مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کر دیا ہے۔ نیاز فتح پوری کہتے ہیں: ''کلامِ مجید میں کسی ایک جگہ بھی کوئی تعلیم ایسی نہیں دی گئی جس سے مراد 'اخوتِ عامہ' اور بشریت کی ''اجتماعیت کبریٰ'' نہ ہو'' (۴۶)۔

مشہور مفکرِ تعلیم امام غزالی کے نزدیک مقاصدِ تعلیم کی فلسفیانہ بنیاد ''افادیت'' ہے۔ چنانچہ مدارجِ تعلیم کی تعیین، نصابِ تعلیم کی تدوین اور طریقِ تدریس کے انتخاب کے متعلق ان کے تصوّرات میں ہر جگہ نظریہٴ افادیت کی جھلک نمایاں ہے (۴۷)۔ ابنِ خلدون پہلی منزل میں طالب علموں کو صرف علم کی مبادیات اور بنیادی اصولوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ علم کی مبادیات سے واقفیت کے بعد ایک بار پھر اسی موضوع کو پڑھانے کو وہ دوسری منزل قرار دیتے ہیں۔ اس منزل میں تدریس کا تقاضا یہی اصول و براہین اور واقعات کا تشریحی جائزہ ہو گا۔ ان کے نزدیک تیسری منزل کا مقصد یہ ہے کہ ایک ایک نکتے اور ایک ایک کنائے کی اس طرح تشریح کی جائے کہ اس کا کوئی پہلو الجھا ہوا باقی نہ رہے (۴۸)۔ اورنگ زیب عالمگیر

نے عوام کی تعلیم پر بطورِ خاص توجہ دی اور عوام کے لیے تعلیم کو لازمی اور جبری قرار دیا (۴۹)۔

سرسید احمد خاں کے نزدیک بہتر تعلیم وہ ہے جس میں عقل، حواس اور اعضائے جسمانی مطابقت اور ہم آہنگی کے ساتھ بروئے کار لائے جا سکیں (۵۰)۔ پھر کہتے ہیں: ''انسان کو تعلیم دینا در حقیقت کسی چیز کا باہر سے اس میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس کے دل کے سوتوں کو کھولنا اور چشمے کے پانی کو باہر نکالنا ہے'' (۵۱)۔

شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ اقبال کے مضمون ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ ''حقیقی انسانیت یہ ہے کہ انسان کو اپنے فرائض سے پوری پوری آگاہی ہو اور وہ اپنے آپ کو اس عظیم الشان درخت کی ایک شاخ محسوس کرے جس کی جڑ تو زمین میں ہے مگر اس کی شاخیں آسمان کے دامن کو چھوتی ہیں۔ اس قسم کا کامل انسان بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر بچے کی تربیت میں یہ غرض ملحوظ رکھی جائے کیونکہ یہ کمال اخلاقی تعلیم و تربیت ہی کی وساطت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جو لوگ بچوں کی تعلیم و تربیت کے صحیح اور علمی اصولوں کو مدِنظر نہیں رکھتے، وہ اپنی نادانی سے سوسائٹی کے حقوق پر ایک ظالمانہ دست درازی کرتے ہیں، جس کا نتیجہ تمام افرادِ سوسائٹی کے لیے انتہا درجہ کا مضر ہوتا ہے'' (۵۲)۔

''اقبال کے نزدیک عمدہ تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ متعلم کو زندگی کی پوری وسعتوں سے آگاہ کر سکے تاکہ وہ ان سے بہرہ مند ہو کر ارتقائے حیات کا فریضہ انجام دے سکے'' (۵۳)۔

ڈاکٹر سید عبداللہ تعلیم کی آخری منزل کی نشاندہی ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''تعلیم ایک دُوررس سماجی ادارہ ہے جو کل زندگی کا قائم مقام ہے۔ لہٰذا تعلیم کی آخری اور صحیح منزل فرد اور سماج کی کل زندگی کو نہ صرف متاثر کرنا ہے بلکہ اسے سنوار کر باثروت، بامعنی اور انسانیت کے لیے اور ذات کے لیے خوش گوار بنانا ہے'' (۵۴)۔

چنانچہ اسلام کے نقطہٴ نظر سے تعلیم کی اہمیت یہ ہے کہ وہ فرد کی تشکیلِ سیرت بھی کرے اور اس سے معاشرے کی تطہیر بھی عمل میں آئے۔ تعلیم کے ذریعے انسان اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس کے دیے ہوئے علم سے اس کی آیات میں غور بھی کرے۔ آسمان کی پہنائیوں اور زمین کی گہرائیوں میں پنہاں خزانوں کی تلاش تعلیم کے حصول کے بغیر ممکن

نہیں۔ اللہ کریم نے حضور ﷺ نے بزرگانِ دین نے اور مفکرینِ اسلام نے تعلیم کی اہمیت و افادیت پر جو کچھ کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ گویا علم و تعلیم کے گہرے سمندر میں غواصی کر کے حکمت کے لُولُوئے لالا نکالنے پر آمادہ ہے۔ اگر ایسا نہیں تو اس کا دعویٰ اسلام لائقِ بحث ہے۔

حواشی و تعلیقات

(۱) اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱۳، (مقالہ ظہور احمد اظہر)، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ۱۹۷۶ء ص ۳۲۷

(۲) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن از اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی، چاند کمپنی، لاہور، ص ۳۷

(۳) تفسیر قرآن صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، چاند کمپنی، لاہور، ص ۳۷

(۴) انڈیکس سلسلۂ قرآنی یعنی فہرست احکام ربانی، جلد اوّل، سید معصوم علی سبزواری، ادارۂ تعلیم انسانیت، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۳۳۳

(۵) رفیع الشان مترجم قرآنِ عظیم (نمبر ۳۶۳)، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی، تاج کمپنی، کراچی، ص ۲۰۹

(۶) تاریخ ابن کثیر، جلد ۲، ص ۲۳، بحوالہ قصص القرآن حصہ دوم، از محمد حفظ الرحمان سیوہاروی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۳۶

(۷) تفسیر مواہب الرحمان، جلد اوّل، مولوی سید امیر علی، دینی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۳۲

(۸) تفہیم القرآن، جلد اوّل، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۲۳۹

(۹) مفہوم القرآن، جلد دوم، غلام احمد پرویز، ادارۂ طلوعِ اسلام، لاہور، ص ۹۲۰

(۱۰) تفسیر ابنِ کثیر اُردو، پارہ ۱۳، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ص ۵۳

(۱۱) رفیع الشان مترجم قرآنِ عظیم (نمبر ۳۶۳)، تفسیر نعیم الدین مراد آبادی، ص ۶۵

(۱۲) مضامینِ شررؔ، جلد پنجم، اصلاحِ قوم و ملت، عبدالحلیم شررؔ، (مضمون ''علم کی خوبیاں'') ناشر سید مبارک علی شاہ گیلانی، لاہور، ص ۴۵

(۱۳) اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱۳، (مقالہ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر)، ص ۴۵۲/ مسلمانوں کے افکار، پروفیسر میاں محمد شریف، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۱۲

(۱۴) مجلہ خاتونِ پاکستان، کراچی، رسولؐ نمبر، اگست ۱۹۶۳ء، (مضمون ''آنحضرت ﷺ کا نظامِ تعلیم'' از عمر احمد عثمانی)، ص ۱۳۶، ۱۳۵

(۱۵) ماہنامہ المیزان، بمبئی، تعلیمی کنونشن نمبر (خطبۂ صدارت آل انڈیا تعلیمی کنونشن، کچھوچھہ شریف از علامہ محمد مختار اشرف جیلانی)، ص ۳۲

(۱۶) عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی از ڈاکٹر حمید اللہ، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن، بحوالہ سہ ماہی ''اسلامی تعلیم''، لاہور، ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص ۳۰

(۱۷) جائزہ مدارسِ عربیہ اسلامیہ مغربی پاکستان، حافظ نذر احمد، جامعہ چشتیہ لائل پور، ۱۹۶۰ء، ص ۴۷

(۱۸) طبرانی و ابونعیم، بحوالہ افکارِ غزالی: علم و عقائد، محمد حنیف ندوی، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰۷

(۱۹) قرآن کا تصورِ تعلیم، محمد حسام اللہ شریفی، ادارۂ فروغِ علم و ادب، لاہور، ص ۱۱۳

(۲۰) جائزہ مدارسِ عربیہ اسلامیہ مغربی پاکستان، ص ۴۷

(۲۱) جائزہ مدارسِ عربیہ اسلامیہ مغربی پاکستان، ص ۴۷

(۲۲) کشف المحجوب، ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش، اُردو ترجمہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، المعارف، لاہور، ۱۳۹۶ھ، ص ۸۰

(۲۳) لغات القرآن، جلد چہارم، عبدالرشید نعمانی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۸ء، ص ۳۳۹

(۲۴) لغات القرآن، جلد چہارم، ص ۳۴۰

(۲۵) مضامینِ شرر، جلد پنجم، ص ۴۴

(۲۶) مضامینِ شرر، جلد پنجم، ص ۴۳

(۲۷) اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱۳، ص ۴۵۵

(۲۸) اردو ترجمہ کشف المحجوب از سید علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش' مترجم ابوالحسنات سید محمد احمد قادری' المعارف' لاہور' ۱۳۹۶ھ' ص ۹۱' ۹۳

(۲۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد ۱۳' (مقالہ ڈاکٹر سید عبداللہ)' ص ۴۶۱

(۳۰) افکار غزالی' ص ۱۱۸

(۳۱) سہ ماہی ''ثانوی تعلیم'' بیورو آف ایجوکیشن' لاہور' اداریہ از ڈاکٹر محمد عبدالعزیز' مارچ ۱۹۶۸ء' ص ز

(۳۲) اردو ترجمہ کشف المحجوب از ایف۔ ڈی گوہر' ناشر احمد ربانی' لاہور' ص ۱۰' گنج بخش بحیثیت عالم از عبدالمجید یزدانی' ادارہ علوم اسلامیہ' لاہور ص ۶۸

(۳۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد ۱۳' (مقالہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر)' ص ۴۶۷

(۳۴) سہ ماہی اقبال لاہور' اکتوبر ۱۹۶۳ء' (مضمون ابن خلدون اور تعلیم از محمد عبدالعزیز' بزم اقبال لاہور' ص ۴۴

(۳۵) حکمت اقبال' غلام دستگیر رشید' نفیس اکیڈمی' حیدرآباد دکن' ۱۹۴۵ء' ص ۳۰۲' ۳۰۹

(۳۶) ماہنامہ ماہ نو کراچی' اقبال نمبر' ستمبر ۱۹۷۷ء' (مضمون ''اقبال کی نظر میں تعلیم کا مقصد'' از فیاض محمود)' ص ۲۲۹

(۳۷) سیارہ لاہور' اقبال نمبر ۱۹۷۸ء' (مضمون ''اقبال کے تعلیمی افکار'' از پروفیسر سعید اختر) ص ۳۳۵

(۳۸) سیرت ابن ہشام ص ۲۸۸' بحوالہ ماہنامہ فکر و نظر' ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' مئی ۱۹۷۸ء' (مضمون ''عہد نبوی کا نظام تعلیم'' از ڈاکٹر حمید اللہ)' ص ۲۹

(۳۹) ماہنامہ المعارف' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' اگست ۱۹۶۹ء' (مضمون ''صدر اسلام میں دینی علوم کے ارتقاء کا اجمالی جائزہ'' از شبیر احمد خاں غوری)' ص ۱۱

(۴۰) انتخاب مقالات شبلی' تذکرہ و تنقید (مضمون ''مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم'')' اردو اکیڈمی سندھ' کراچی' ۱۹۶۰ء' ص ۷۰' ۷۱

(۴۱) ماہنامہ المعارف' لاہور' دسمبر ۱۹۶۸ء' (مضمون ''حدیث رسول ﷺ کا اثر عربی زبان و ادب پر'' از پروفیسر ظہور احمد اظہر)' ص ۳۰

(۴۲) مجلہ ثانوی تعلیم' بیورو آف ایجوکیشن' لاہور' جون ستمبر ۱۹۷۰ء' (مضمون 'قدیم یونان...... ایک تعلیمی اور ثقافتی جائزہ'' از چودھری محمد نواز)' ص ۹۴

(۴۳) تعلیمی خطبات' ڈاکٹر سید عبداللہ' (مضمون ''تعلیم...... علم اور عملی نیکی'')' مجلس ارادت مندان رشید' لاہور' ص ۲۸

(۴۴) ثانوی تعلیم' جون ستمبر ۱۹۷۰ء' ص ۱۰۵

(۴۵) ثانوی تعلیم' مارچ ۱۹۷۲ء' (مضمون ''مقصد تعلیم'' از عبداللہ فاروقی)' ص ۴۴

(۴۶) مجموعہ' استفسار و جواب' جلد دوم' نیاز فتحپوری' ۱۹۳۲ء' ص ۳۸۸

(۴۷) تعلیم و تعلم' منور ابن صادق (مضمون ''امام غزالی کا فلسفۂ تعلیم'')' صادقیہ پبلی کیشنز' لاہور' ص ۸۷

(۴۸) سہ ماہی اقبال' بزم اقبال لاہور' اکتوبر ۱۹۶۳ء' (مضمون ''ابن خلدون اور تعلیم'' از محمد عبدالعزیز)' ص ۴۹' ۵۰

(۴۹) مسلمانوں کا نظام تعلیم' پروفیسر سعید احمد رفیق' ایجوکیشن ریسرچ آف پاکستان' کراچی' ۱۹۶۲ء' ص ۱۹۱

(۵۰) مقالات سرسید' حصہ ہشتم' مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی' مجلس ترقی ادب' لاہور' ۱۹۶۱ء' ص ۴

(۵۱) مقالات سرسید' حصہ ہشتم' ص ۱۶

(۵۲) سہ ماہی تعلیم و تدریس' بیورو آف ایجوکیشن' اپریل جولائی ۱۹۷۰ء' ص ۲

(۵۳) سہ ماہی اقبال ریویو' اقبال اکادمی' کراچی' جولائی ۱۹۶۰ء' (مضمون ''اقبال کا مدرسہ تعلیم'' از ڈاکٹر سید عبداللہ)' ص ۳

(۵۴) تعلیمی خطبات' ڈاکٹر سید عبداللہ' ص ۶۹

(مطبوعہ سہ ماہی ''فروزاں'' لاہور۔ اپریل جون ۱۹۸۱ء)

☆☆☆☆☆

نظامِ مصطفیٰ ﷺ میں کتاب و نصاب کی اہمیت

کتاب کا قرآنی تصوّر

انبیاءِ کرامؑ کو خداوند کریم نے جو نعمتیں عطا کیں جن خصائص کی بنا پر ان کا تشخّص قائم کیا گیا وہ کتاب اور حکمت ہیں۔ ''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت دوں...... (۱) یعنی سب انبیاءؑ سے عہد لیتے وقت بتایا گیا کہ انھیں کتاب اور حکمت دی جائے گی یہ تمام نبیوں کا ذکر تھا۔ قرآن پاک میں جہاں جہاں کسی نبی کا تذکرہ آیا ہے وہاں بھی انہی دو خصوصیات کا ذکر ہے۔ ''ہم نے اولادِ ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت عطا کی''۔ (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشادِ باری ہے: ''خدا انھیں کتاب اور حکمت سکھائے گا''۔ (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی: ''یارب! ان میں ایک رسول مبعوث فرما جو انھی میں سے ہو تیری آیات ان پر تلاوت کرے اور انھیں کتاب و حکمت سکھائے''۔ (۴) حضور رسولِ اکرم ﷺ سے خطاب فرمایا گیا: ''خدا نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ سب کچھ سکھایا جو آپ کے علم میں نہ تھا''۔ (۵) وہ اپنی اُمّت پر آیاتِ خداوندی تلاوت کرتے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے۔ (۶)

یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام کو کتاب و حکمت عطا کی گئی۔ افضل الانبیا علیہ التحیۃ والثناء پر بھی یہ دو نعمتیں نازل ہوئیں اور حضور ﷺ نے ان دو نعمتوں کو اُمّت تک پہنچایا۔ ان کی تمام تعلیم کتاب اور حکمت پر مبنی ہے۔ قرآنِ حکیم کے بارے میں خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یہ وہ کتاب ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں''۔ (۷)

قرآن مجید وہ کتاب ہے جو تاریخ کے جانے بُوجھے دور میں نازل ہوئی جس نے تاریخ سازی کا ایک جیتا جاگتا معاشرہ تشکیل دیا اور انسانی فکر و عمل کے دھاروں کو بدل ڈالا۔ قرآن مجید کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ صرف عقائد و عبادات کے مباحث سے متعلق نہیں ہے بلکہ ''تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ'' اس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ قرآن ہمیں عبادات

و احکام کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کائنات کے مطالعے اور مختلف علوم و فنون میں تحقیق و تدقیق کی راہیں سُجھاتا ہے۔ اس میں کائنات کا علم حاصل کرنے کی ترغیب، غور و فکر کی عادت راسخ کرنے کی تلقین اور عقل سے کام لینے کی ہدایت ہے۔ معلوم ہوتا ہے جن انبیاءؑ پر باقاعدہ کوئی ''کتاب'' نازل نہیں کی گئی انھیں بھی کائنات کی ان حقیقتوں سے ضرور شناسا کیا گیا اور اسی کو ''کتاب و حکمت'' فرمایا گیا۔ کیونکہ تمام انبیاءؑ سے میثاق لیتے وقت سب کے بارے میں کہا گیا کہ انھیں کتاب و حکمت سے نوازا جائے گا۔

قرآن میں گزشتہ انبیاء اور اقوام و ملل کے حالات کو زمان و مکان کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ زمین، اس کے طبعی اشکال آسمان، سیاروں کی تخلیق اور طبعی ترکیب وغیرہ کی نشاندہی کی گئی ہے اس پر غور و خوض کی دعوت دی ہے۔ انسان کی تخلیق، اس کی خصوصیات پر گفتگو کی ہے، طبعی و غیر طبعی ماحول کے تجزیاتی مطالعے پر اُکسایا ہے، معدنی وسائل، صنعت، زراعت اور انسان کی تہذیبی و ثقافتی نشو و نما پر بات کی ہے۔ کتابِ خداوندی نے ہمیں حقائق کی اصلیت تک پہنچنے کی راہ دکھائی ہے۔ واقعات و حوادث کی کڑیوں کو مربوط کرنے کی ہدایت کی ہے۔ کتاب نے انسان کی توجّہ کائنات اور اس کی تخلیق و تکوین کی طرف مبذول کروائی ہے۔

''ہم عنقریب انھیں کائنات اور خود ان کے نفس میں ایسی نشانیاں دکھائیں گے کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ جو کچھ قرآن پیش کرتا ہے وہی حق ہے''۔ (۸) آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کے ایک ترتیب کے ساتھ وقوع پذیر ہونے کے نظام میں اہلِ بصیرت و دانش کے لیے نشانیاں ہیں، جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے ہر وقت یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ (۹) اللہ وہی ہے جس نے آسمان سے بارش کا پانی اتارا اس کے ذریعے طرح طرح کی نباتات اُگائی۔ ہم پودوں کی سبز کونپلیں نکالتے ہیں اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گچھوں، انگوروں کے باغوں، زیتون اور انار کو دیکھو کہ بعض خصوصیات میں ایک دوسرے سے مماثل ہیں اور بعض میں مختلف۔ تم ان پھلوں کے پھلنے اور پکنے پر غور کرو۔ اس میں اہلِ ایمان کے لیے بہت سے

دلائل موجود ہیں۔(۱۰) اور اسی کی نشانیوں میں سے ایک آسمانی بجلی ہے جسے وہ خوف یا اُمید کے لیے دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پھر بنجر زمین کو اس پانی کے ذریعے کھیتی باڑی اور زراعت کے قابل بناتا ہے۔ ان باتوں میں عقل والوں کے لیے دلائل ہیں۔(۱۱)

سورۃ الروم کی بعد کی چند آیات میں بھی بارش اور اس کے فوائد کا تفصیلی ذکر ہے۔(۱۲) سورۃ النحل میں چوپایوں کی خصوصیات اور فوائد کا تذکرہ کیا گیا ہے اور آخر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "رب تعالیٰ ان کے علاوہ اور چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جو (اس وقت) تمھارے علم میں نہیں ہیں"۔(۱۳) اسی سورہ میں رات دن کی تقسیم اور سورج، چاند اور ستاروں کے نظام کا ذکر ہے، ان پر غور وفکر کی دعوت ہے۔ زمین کی زرعی صلاحیتوں کا حوالہ ہے اور ان سے استفادے اور ان کے استعمال کی ہدایت ہے۔(۱۴) لڑائی کے لیے ضروری سامانِ حرب سے لیس ہونے اور تیاری کے ساتھ خدا اور مسلمانوں کے دشمنوں سے جنگ کرنے کی ہدایت ہے: "تم ان سے لڑائی کے لیے اتنی قوت اور زور آور گھوڑے تیار کرو جتنے ممکن ہوں تاکہ اس سے اللہ کے اور تمھارے دشمنوں پر اور ان کے علاوہ دوسری اقوام پر بھی تمھاری دھاک بیٹھ جائے"۔(۱۵)

اسلام میں کتاب کی اہمیت

اسلام میں تصنیف وتالیف کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ خدا نے قلم کی اور قلم سے لکھی ہوئی تحریر کی قسم کھائی ہے۔ اور ایک کتاب کی قسم بھی کھائی ہے جو ایک پھیلائی گئی جھلی پر لکھی ہوئی ہے۔ علامہ ابنِ حزم "ملل ونحل" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی وفات پر قرآن مجید کے ایک لاکھ نسخے مصر، عراق، شام، یمن وغیرہ میں پھیل چکے تھے۔(۱۶)

تیسری صدی ہجری کے آغاز میں عراق میں چینی کاغذ کی درآمد شروع ہوئی۔ ۱۵۱ھ میں چند چینی قیدیوں نے سمرقند میں کاغذ بنانا شروع کر دیا۔ پروفیسر فلپ حتّی کا خیال ہے کہ کاغذ سازی کی صنعت سمرقند سے عراق میں آئی اور خاندانِ برامکہ کے فضل ابنِ یحییٰ کی کوشش سے بغداد میں کاغذ بنانے کا کارخانہ قائم ہوا۔ تہامہ میں بھی دیسی گھاس کے ریشوں سے کاغذ بنانے کا کارخانہ قائم کیا گیا۔ پانچویں صدی ہجری میں طرابلس کا بنا ہوا کاغذ بہت اچھا سمجھا

جاتا تھا۔ معتصم باللہ کے زمانے میں سامرہ میں بڑے پیمانے پر کاغذ تیار ہوتا تھا۔ وراق ابنِ ندیم نے اپنی کتاب "الفہرست" میں سامرہ کے کاغذ کی اقسام کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ یورپی مسیحی ممالک اور یورپ کے مشرقی حصوں میں شطبیہ اور شام وفلسطین سے خاص قسم کا کاغذ برآمد کیا جاتا تھا۔

کاغذ ایک قدیم چینی ایجاد ہے۔ اس سے مسلمان اس وقت واقف ہوئے جب انھوں نے ۷۰۴ء میں سمرقند کو فتح کر لیا اور چینی صناعوں سے کاغذ سازی کا فن سیکھ لیا۔ پھر کاغذ کا استعمال مسلمانوں کے ذریعے یورپ میں عام ہوا۔ کاغذ پر لکھے ہوئے بہت سے عربی مخطوطات نویں صدی کے مکتوبہ ہیں، لیکن بارھویں صدی تک نصرانی دنیا میں کاغذ درآمد نہ ہوا تھا اور تیرھویں صدی میں بھی اس کا استعمال بہت محدود تھا۔ یورپ میں کاغذ کے اوّلین کارخانے مسلمانوں نے اندلس اور صقلیہ میں قائم کیے تھے، جہاں سے یہ صنعت اطالیہ میں پھیل گئی۔(۱۷)

سفیان ابنِ امیہ نے اسلم بن سوری سے کتابت سیکھی۔ ظہورِ اسلام کے بعد جب مسلمانوں کی سلطنت وسیع ہوئی تو بنوامیہ کے ابتدائی زمانے میں بصرہ اور کوفہ اسلام کا مرکز قرار پائے۔ اُمورِ سلطنت کی انجام دہی کے لیے کتابت کی ضرورت محسوس ہوئی اور رفتہ رفتہ اسے ترقی ہوئی۔ قرآن پاک وغیرہ لکھنے کے لیے خط کوفی مخصوص تھا۔ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں مشہور خطاط خالد بن صباح نے مسجد نبوی پر چند سورتیں لکھیں۔ سامہ بن لوی بن غالب کا غلام مالک بن دینار (متوفی ۱۳۰ھ) بھی مشہور خطاط تھا۔ بنوعباس کے زمانے میں خطاطی نے بڑی ترقی کی۔ اس عہد میں ضحاک بن عجلان نے ایک نیا خط ایجاد کیا۔ اس کے بعد اسحاق نے کئی خط ایجاد کیے۔ مامون الرشید کے عہد میں بھی خطاطی نے بہت ترقی کی۔ ۲۱۹ھ میں خطِ ریحان ایجاد ہوا۔ ابنِ مقلہ (۳۲۹ھ) نے حرفوں کے دائروں اور نشست حروف کو خوبصورت بنانے میں بڑی شہرت حاصل کی۔ دورِ عباسیہ میں یعقوبی، الجوہری، ابن الجوزی (مشہور محدث)، عبدالمومن (مشہور ماہر موسیقی) اور بہت سے مشہور خطاط گزرے ہیں۔

دوسری متمدن قوموں کے ہاں ذخیرۂ کتب کے لیے کتب خانہ یا لائبریری کے ہم معنی الفاظ ملیں گے مگر مسلمانوں کا ذوق دیکھیے کہ وہ اپنے علمی ذخیروں کو کتب خانہ کے بجائے بیت

الحکمت' دارالعلم قسم کے علم پرور نام دیتے تھے۔ کتابوں کی افادیت اور اہمیت پر مسلمان مشاہیر کے اقوال اور شعراء کے اشعار ہی جمع کر دیے جائیں تو چھوٹا سا مقالہ بن سکتا ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں جتنے بھی مخطوطات موجود ہیں' (جو دورِ طباعت سے پہلے کی انسانی علمی کاوشوں کی یادگار ہیں) اگر ان کے کوائف جمع کیے جائیں تو اس علمی ثروت میں مسلمانوں کے اسلاف کا حصہ اتنا غالب اور نمایاں نظر آئے گا' جو ہمارے لیے قابلِ فخر بھی ہے اور باعثِ عبرت بھی۔ (۱۸)

اسلام کے آغاز میں تحریری سرمایہ صرف اتنا تھا کہ قرآن مجید کی متفرق سورتیں اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے نامہ ہائے مبارک اور شعراء کے قصائد تھے۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں کچھ اور اضافہ ہوا اور خالد کے زمانے میں کتب خانے کی باضابطہ بنیاد قائم ہوئی۔ عہدِ ہارون و مامون میں یہ بنیادیں آسمان تک پہنچ گئیں۔ (۱۹)

قرآن کریم عربی زبان کی اولین کتاب ہے اور حدیثِ رسول ﷺ کو عربی نثر کی دوسری مدوّن کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ حقیقت اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نہ صرف عہدِ صحابہ بلکہ عہدِ رسول ﷺ میں بھی حدیث کے بعض مجموعے اور صحیفے مدون شکل میں موجود تھے۔ (۲۰)

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ عہدِ جاہلیت میں نہ کوئی علم مدوّن ہوا نہ کوئی کتاب تصنیف ہوئی اور اگر کوئی کتاب لکھی بھی گئی ہو تو تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ عربی میں سب سے قدیم کتاب قرآن کریم ہے۔ لیکن یہ کتاب نہ تصنیف شدہ ہے نہ اس پر تدوین کے ہاتھ کا اثر ہے۔ ظہورِ اسلام کے وقت قریش میں جسے سب سے بڑا قبیلہ مانا گیا ہے' صرف ۱۷ آدمی خواندہ تھے اور سب سے پہلے خود حضور سراپا نور ﷺ نے اس فن کی اشاعت کی طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ حضور ﷺ کی وفات تک قرآن کے علاوہ مندرجہ ذیل سرمایہ تحریر میں جمع ہو چکا تھا۔

(۱) وہ حدیثیں جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص' حضرت علی و حضرت انسؓ رضی اللہ عنہم نے قلم بند کیں۔

(۲) تحریری احکام اور معاہدات اور فرامین جو حضور ﷺ نے قبائل کے نام بھیجے۔

(۳) وہ خطوط جو حضور ﷺ نے سلاطین و امراء کے نام ارسال فرمائے۔

(۴) پندرہ سو صحابہ کے نام۔ پھر حضور ﷺ کے بعد خلافتِ راشدہ میں تحریری ذخیرہ میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا تھا لیکن عہدِ صدیقی و فاروقی میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع نہیں ہوا..... البتہ بنو امیہ کے عہد میں حکماء و علماء سے علوم تصنیف کرائے گئے۔ (۲۱)

امیر معاویہؓ نے طلبِ علم میں اور زیادہ وسعت پیدا کی۔ عُبید بن شریہ جو یمن اور سلاطین عرب و عجم کی تاریخ کے بڑے عالم تھے' یمن سے ان کے پاس آئے۔ وہ ان کو تاریخی داستانیں اور ان کے متعلق دلکش قصائد سناتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے کاتبوں کو حکم دیا تھا کہ عبید کی داستانوں کو قلمبند کر لیا کریں۔ اس طرح اسلام میں تاریخ کا آغاز امیر معاویہ کے ہاتھوں ہوا۔ (۲۲) امیر معاویہ کے دربار میں ابن آثال نامی ایک عیسائی طبیب تھا' جس نے یونانی زبان کی بعض کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ (۲۳)

دوسری صدی ہجری کی ان تالیفات کے مطالعے سے جو زمانے کی دستبرد سے بچ کر ہم تک پہنچی ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ "ادب" اس زمانے کی تربیتِ نفس' حسنِ اخلاق اور صحیح تعلیم کے معانی میں مروّج رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ "ادب" ان تمام علوم و فنون کی خاطر بھی استعمال ہوتا رہا' جو غیر دینی اور ماسوائے شرائع تھے۔ (۲۴)

ایک مدت تک کچھ اس تقلیدی خیال سے کہ آنحضرت ﷺ نے حدیثوں کو قلم بند کرنے کی طرف خود توجہ نہیں فرمائی اور کچھ اس وجہ سے کہ اہلِ عرب کو اپنے حافظے کے بھروسے پر تدوین اور تصنیف کی چنداں پروا بھی نہ تھی' کاغذ اور قلم سے کام نہیں لیا گیا۔ مگر جس قدر زمانے کو امتداد ہوتا جاتا تھا' ان روایتوں کے دفتر تیار ہوتے جاتے تھے' جن کو زبانی محفوظ رکھنا انسانی قوت کا کام نہ تھا۔ غرض ۱۴۳ھ میں تالیف و تدوین شروع ہو گئی۔ ابن جریج نے مکہ میں' امام مالک نے مدینہ میں' اوزاعی نے شام میں اور سفیان ثوری نے کوفہ میں حدیث اور تفسیر کی کتابیں لکھیں۔ امام ابوحنیفہ نے دلائل کے ساتھ فقہ کو ترتیب دیا۔ ابن اسحاق نے مغازی و سیر کی تدوین کی۔ یہاں تک کہ فضل بن یحییٰ برمکی کے اہتمام اور توجہ سے کاغذ بنانے کا ایک کارخانہ قائم ہو گیا اور علوم و فنون گھر گھر پھیل گئے۔ (۲۵)

عباسی دور میں کاغذ سازی ایک گھریلو صنعت بن چکی تھی' چنانچہ کثیر تعداد میں کتابیں

لکھی جاتیں اور تاجروں اور ایجنٹوں کے ذریعے فروخت کی جاتی تھی۔ ہزارہا عوامی اور نجی کتب خانے مُنصّۂ وجود پر نمودار ہو گئے تھے۔(۲۶)

صحابۂ کرامؓ سے علوم و معارفِ قرآن تابعین تک پہنچے اور صدرِ اوّل تک برابر منقول ہوتے رہے' تا آنکہ تدوین و تالیف کا دور آیا اور طبری' واقدی اور ثعالبی نے ان سے اپنی تصانیف کو آراستہ کیا۔ علامہ ابنِ خلدون نے تصنیف و تالیف کے اس دور میں تفسیر کی دو قسمیں قرار دیں۔ ایک معقولی انداز کی اور ایک منقولی ڈھب کی۔(۲۷)

ذوقِ تالیف اور شوقِ اشاعتِ کتب کے ساتھ مسلمانوں کے ذوقِ مطالعہ اور عشقِ کتاب کی حکایت بھی بڑی لذیذ ہے۔ سفر میں بھی کتابوں کو..... ایک دو کتابوں کو نہیں' کتابوں سے لدے ہوئے اونٹوں کو..... ساتھ ساتھ لیے پھرنے کے متعدد واقعات موجود ہیں۔ ایسے فنا فی الکتب آدمی بھی ہوتے تھے' جن کی بیویاں ان کی کتابوں کو اپنی سوکنیں کہتی تھیں۔ جاحظ کا مفلوج ہو کر بھی مطالعہ جاری رکھنا اور بالآخر کتابوں کے ڈھیر ہی میں دب کر اس کی موت واقع ہونا اور ابنِ رشد کا زندگی بھر میں صرف دو راتیں مطالعۂ کتب سے محروم رہنا تو مشہور واقعات ہیں۔(۲۸)

عرب میں شاعری کے عین شباب کے زمانے اور شعرا کے کمالِ فن کے معراج کے وقت میں حضور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء مبعوث ہوئے۔ خداوندِ عالم نے قرآنِ مجید کی صورت میں حضور ﷺ کو ایک معجزہ عطا فرمایا کہ اس کی فصاحت و بلاغت کا سکّہ عربوں کے قلوب پر بیٹھ گیا۔ میں سمجھتا ہوں' اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم جو بھی کتاب تصنیف کریں' اس میں حقائق کی پیشکش ایسی ہو کہ سب اَش اَش کر اٹھیں۔ پھر قرآنِ پاک کے استدلالات کا معیار فطری ہے۔ اس میں انبیائے سلَف اور اُمَمِ سابقہ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ قرآنِ مجید خزینۂ حکمت ہے' خشک و تر کی کوئی چیز ایسی نہیں' جو اس کتابِ روشن کے اندر موجود نہ ہو۔ جغرافیہ' ہندسہ' سائنس کے تمام شعبے' علم طبقات الارض' علم جمادات' علم نباتات' علم حیوانات' علم طبیعیات' علم اقتصادیات' علم جرِ ثقیل' علم ہیئت' علم افعال الاعضا' علم جراحی' علم طب' علوم الِسنہ۔ اسی طرح تمام علوم کا نایاب خزینہ صرف قرآنِ مجید ہے۔(۲۹) ہمیں چاہیے کہ کسی بھی سائنسی' تکنیکی' روحانی یا معاشرتی موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے قرآنِ مجید سے

رہنمائی حاصل کریں اور قرآن ہی کے حکم ''تَتَدَبَّرُوْا'' ''تَتَفَکَّرُوْا'' پر عمل پیرا ہوتے ہوئے' تمام موضوعات کی گہرائیوں سے غور و فکر کی غوّاصی کے ذریعے اسرار و غوامض کے گوہر تابناک نکالیں۔ ماضی کی روشن لکیروں سے نور حاصل کریں اور ماضی کے دھندلکوں کا اعادہ نہ ہونے دیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کے خطوط میں طوالتِ بیان' عبارت آرائی' تکلُّف و تصنُّع اور شوکتِ الفاظ کے بجائے سادگی' حقیقت پسندی' بے تکلفی اور اختصار کی عملداری نظر آتی ہے۔ اس زمانے میں عربی زبان و ادب میں ان خوبیوں کے بارے میں تصوّر بھی مشکل تھا۔ سرورِ کائنات ﷺ کے مکاتیب نے ہمیں جو راہ دکھائی' دنیا کئی سو سال کے لسانی تغیُّرات کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ پیغمبرِ عالم ﷺ کی تقلید میں عبارت آرائی اور مشکل پسندی کے بجائے تحریر میں سلاست اور بے تکلفی مناسب ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ کے خطوط میں پورے عزم و یقین کے ساتھ حق کی دعوت دی گئی ہے' اس سے آج کی دنیائے تصنیف کو راہ ملتی ہے کہ جو لکھا جائے' اس یقین کے ساتھ لکھا جائے کہ اس کی صداقت غیر متزلزل ہے اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں کسی مصلحت یا خدشے کو پرِکاہ وقعت نہ دی جائے۔

مکتوباتِ نبوی میں مخاطب کے لیے خیر اندیشی اور ہمدردی کے جذبات مترشّح ہوتے ہیں۔ اس سے ہماری رہنمائی مقصود ہے کہ ہم جو کچھ لکھیں' انسانیت کی فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر سے لکھیں۔ ہماری تحریروں کو پڑھنے والا یہ محسوس کرے کہ ان میں اس کی بہتری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم عصر بادشاہوں' عرب کے حکمرانوں' ہمسایہ قوموں اور مختلف قبیلوں کے سربراہوں کے نام جو مکاتیبِ گرامی ارسال فرمائے' ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ حدیث اور سیرتِ پاک کی کوئی کتاب ان کے ذکر سے خالی نہیں۔ صحابۂ کرامؓ میں سے سب سے پہلے مکتوباتِ نبوی کو حضرت عَمرو بن حزم انصاری نے جمع کیا تھا۔ یہ مجموعہ ۲۱ مکاتیب پر مشتمل تھا۔ ابنِ طولون کی کتاب میں یہ مکاتیب موجود ہیں۔(۳۰)

خداوندِ قدوس و لایزال نے اسلام کی دعوت کا اسلوب متعیّن فرما دیا کہ لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ سے بلاؤ اور ان سے بحث کرو تو بطریقِ احسن..... جب ہم کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ کریں تو خداوندِ بزرگ و برتر کے احکام کو پیشِ نظر رکھیں۔ ہماری

تصانیف کا مرکزی خیال پروردگار عالم کی معرفت ہو۔ ہمارے پیغام کی غایت اظہار علم اور تنگ نظری نہ ہو۔ ہم حکمت و دانش سے بات کو واضح کریں' ہمارا پیرایہ بیان اور اسلوب نگارش دلکش ہو۔

مسلمانوں کا نصاب تعلیم

نصاب سے مراد وہ جملہ افکار و افعال ہیں' جن سے بچے کی زندگی اندرونِ مدرسہ اور بیرونِ مدرسہ متاثر ہوتی ہے اور جو اس کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں براہ راست یا بالواسطہ معاون ثابت ہوتے ہیں۔ (۳۱) امام غزالی نصاب میں استدراج مراتب' احتیاجِ افراد اور اقتضائے احوال کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ (۳۲)

مختلف ممالک میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں' لیکن اصولاً ہر مسلم ملک میں تعلیم کا آغاز قرآنِ حکیم سے ہوتا تھا۔ بعض ممالک میں قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ کتابت سکھائی جاتی تھی۔ اندلس میں قرآن کے علاوہ دوسرے علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی اور ادبیات میں طلبہ کو فنِ شاعری کے اصول و مبادی سکھائے جاتے تھے۔ افریقہ میں تعلیم کا طریقہ اندلس سے مماثل تھا۔

ان مکاتب میں بھی جو ابتداً قرآن پاک کی تعلیم کے لیے قائم کیے گئے تھے' آگے چل کر ادب' لغت اور شعر وغیرہ کی تعلیم بھی دی جانے لگی۔ خود حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: "عَلِّمُوْا اَوْلَادَکُمُ الشِّعْرَ" (اپنی اولاد کو شعر کی تعلیم دو)۔ قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حدیث کی تعلیم کے لیے اجلّۂ صحابہ کو مامور کیا گیا۔ صاحب "حسن المحاضرۃ" کہتے ہیں کہ خاص مسجد نبوی میں جابر بن عبداللہ کا حلقۂ درس بھی وسیع تھا۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لیے وقف تھا' وہ ہر علم و فن کی تعلیم لوگوں کو دیتے تھے۔ (۳۳)

مکہ مکرمہ میں اسلام کی تعلیم اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مکان کے علاوہ دارارقم میں دی جاتی رہی۔ مدینۂ طیبہ میں سب سے پہلے تبلیغ و تعلیم دین کے لیے حضرت مُصعب بن عُمیرؓ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ انھوں نے حضرت ابوامامہ اسعدی کے مکان پر یہ سلسلہ شروع کیا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر آٹھ دس ماہ تک حضور ﷺ کا مسکن رہا

تھا اور اہلِ اسلام یہاں سے کتاب و حکمت کا درس لیتے رہے۔ اسلام کی سب سے پہلی باقاعدہ درسگاہ مسجد نبوی اور خصوصاً اس کا شمالی حصہ "صُفّہ" بنا۔ مسجد نبوی کے علاوہ قُبا اور مدینہ منورہ میں اور بھی نو مساجد تھیں' جہاں بچے پڑھتے تھے۔ پھر خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی درسگاہوں کو عام کیا گیا' جہاں قرآن و حدیث کے علاوہ نحو' ادب' بلاغت اور فقہ کی تدریس کا خصوصی اہتمام ہوتا رہا۔

ابتدائی دور میں تعلیم کا کوئی معین نصاب نہیں تھا کہ ہر درس گاہ میں ایک ہی انداز میں تدریس ہو' کہیں پہلے قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی اور کہیں پہلے نوشت و خواند کا اہتمام ہوتا۔ اسی طرح کہیں ساتھ ساتھ اور کہیں تقدیم و تاخیر سے ادب' شعر' نحو اور دوسرے علوم سکھائے جاتے۔ پہلے اسلامی درسگاہوں کا نصابِ تعلیم بہت مختصر ہوتا تھا۔ پہلے پہل جس باقاعدہ نصاب نے بہت شہرت پائی' وہ نظامیہ بغداد کا نصاب تھا' مگر بعد میں بھی نصاب کے متعلق جمود کا مظاہرہ نہیں کیا گیا بلکہ معاشی تقاضوں اور خارجی و داخلی عوامل کے پیشِ نظر اس میں ترمیم ہوتی رہی۔ اس ترمیم کی بھی تو یہ صورت رہی کہ بعض نئے علوم نصاب میں داخل کیے گئے' کبھی بعض خارج کیے گئے اور کبھی ایسا ہوتا کہ بعض علوم سے متعلق کتابیں تبدیل کر دی جاتیں۔ برصغیر میں قطب الدین شہید سہالوی کے فرزند مولانا نظام الدین کے نصاب نے بڑی شہرت پائی اور معمولی کمی بیشی کے ساتھ اب بھی یہ رائج ہے۔ (۳۴)

"فتوحاتِ اسلامی کے ساتھ مسلمانوں نے یونانی فلسفہ و حکمت کو اپنایا' طب اور علم التشریح میں کمال پیدا کیا' علم جغرافیہ کو وسعت دی' کیمیا' علم الافلاک اور علم النجوم سے دنیا کو روشناس کرایا' ریاضی میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ الجبرا آج بھی انھی کے نام سے منسوب ہے۔ منطق اور علم الکلام کو شامل نصاب کیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ تمام علوم نصاب کا حصہ قرار پائے"۔ (۳۵)

"آج کی طرح کبھی بھی دینی اور دُنیوی مدارس الگ الگ نہیں تھے۔ ایک ہی درسگاہ میں جہاں حدیث و تفسیر کا علم پڑھایا جاتا تھا' وہیں اس کے دوسرے دنیوی علوم کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ درسِ نظامی جن مضامین پر مشتمل ہے' انھیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خالص دینی نصاب نہیں ہے بلکہ اس کے مضامین مختلف علوم و فنون پر مبنی ہیں۔ منطق' فلسفہ' قانون'

طب' ریاضی اور جیومیٹری وغیرہ اگر آج دینی علوم نہیں ہیں تو اُس دَور میں بھی نہیں تھے''۔

(۳۶) ابتدائے اسلام میں علم کا مقصد علمِ دین یا رائج الوقت علوم کی تعلیم تھی۔ مگر علمِ دین کو تمام علوم پر فوقیت حاصل تھی کیونکہ علمِ دین ہی ہماری ذہنی' اخلاقی' روحانی بنیادیں اُستوار کرتا تھا اور اسی پر ہمارا تمام نظامِ زندگی قائم تھا۔(۳۷)

قاضی ابوبکر ابن العربی کی رائے ہے کہ پہلے بچوں کو شعر وادب کی تعلیم دی جائے' پھر حساب کی اور اس کے بعد قرآنِ مجید پڑھایا جائے تاکہ بچے بآسانی کلامُ اللہ کو سمجھ سکیں۔ اس کے بعد حدیث' فقہ اور دیگر علوم سکھائے جائیں۔ ابنِ خلدون نے ابن العربی کی رائے سے اصولاً اتفاق کیا لیکن کہا کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہو کہ بچے بڑے ہوکر تعلیمِ قرآنی سے محروم رہ جائیں گے تو یہی طریقہ مناسب ہے۔۔۔۔وہ ابن العربی کی اس تجویز کے بھی مؤید ہیں کہ تعلیم تھوڑی تھوڑی اور بتدریج ہونی چاہیے۔(۳۸) ابنِ خلدون اس امر کے مخالف ہیں کہ مبتدی کے سامنے ایسے مسائل پیش کیے جائیں جن کو سمجھنے سے وہ قاصر رہتا ہے۔

زرنوجی نے ''تعلیم المتعلم وطریقۃ التعلم'' میں امام ابوحنیفہ اور دوسرے اہلِ علم کی رائے لکھی ہے کہ مبتدی کو صرف اتنا سبق دینا چاہیے کہ دو بار دُہرانے سے یاد ہو جائے۔ پھر ہر روز سبق میں کچھ اضافہ ہونا چاہیے۔ ابنِ خلدون اور زرنوجی کے نزدیک سبق میں اعادہ وتکرار اور ارتباط کا التزام ضروری ہے۔

سکندرِ اعظم کے زمانے تک صرف علمِ موسیقی اور ورزشِ جسمانی ان کے نصابِ تعلیم میں داخل تھیں' مسلمانوں نے تعلیم کا منشا ورزشِ جسمانی کے علاوہ دُنیوی علوم اور انسان کے قوائے باطنی کی تہذیب اور تکمیلِ خیال کی تھی۔(۳۹)

''اخوان الصفا درجۂ عالی کے نصابِ تعلیم میں علومِ فلسفہ کا بھی اضافہ کرتے تھے اور اس معاملے میں ان کا اپنا ایک مشہور تعلیمی مکتبِ فکر تھا' جو بہت حد تک جدید تعلیمی مکتبِ فکر سے ملتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ تعلیم کی ابتدا معقولات کے بجائے محسوسات سے ہونی چاہیے۔ چنانچہ اس طرح وہ اپنے زمانے میں اسلامی عقائد کو ایک اچھوتے اسلوب میں دقیق علمی طریقے پر پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے طریقۂ تعلیم کا بنیادی فکر دین اور عقل میں باہم مطابقت پیدا کرنا تھا۔ جب ابنِ خلدون کو نظامِ تعلیم کے بارے میں اخوان الصفا کے ان

خیالات کا علم ہوا تو اس نے ان کے نقطۂ نظر کی حمایت کی اور انھی خطوط پر خود ایک نظامِ تعلیم تجویز کیا۔ وہ کہتا ہے کہ تعلیم کا نصاب مقرر کرتے وقت دو بنیادی نکات ملحوظ رہنے چاہئیں۔ (۱) بچوں کی ذہنی استعداد (۲) حسی معرفت کو مقدم رکھا جائے اور غیر حسی معرفت تک پہنچنے کا اساس بنایا جائے''۔(ابوالفتوح محمد التونسی)(۴۰)

منظوم فارسی نصابوں میں ''نصاب الصبیان'' غالباً سب سے قدیم ہے۔ اس کے مصنف ابونصر فراہی ہیں جنھوں نے یہ کتاب ۶۱۷ھ میں لکھی۔ یہ کتاب صدیوں تک داخلِ نصاب رہی ہے اور اس کے قبولِ عام کا یہ عالم تھا کہ بقول پروفیسر شیرانی اس کے شارحین اور حواشی نگاروں کی تعداد گلستاں کے شارحین سے زیادہ ہے۔(۴۱)

بہادر شاہ اوّل کے عہد میں مُلّا نظام الدین نے اپنے درس کا آغاز کیا۔ حکومت کی طرف سے فرنگی محل کی عمارتیں اس کے لیے مخصوص تھیں' جو آج بھی موجود ہیں۔ ان کے درس وتدریس کی شہرت تمام ملک میں پھیل گئی۔ دور دور سے تشنگانِ علم شریکِ درس ہونے کے لیے آنے لگے۔ پچاس پچپن برس تک آپ نے درس دیا اور باپ کے درس کی ترمیم کرکے صَرف' نحو' ایساغوجی' ریاضی' بلاغت' فقہ' اصولِ فقہ' کلام' تفسیر اور حدیث کی کتاب پر مشتمل ایک تعلیمی نصاب جاری کیا' جو ''درسِ نظامیہ'' کہلاتا ہے۔(۴۲) ''درسِ نظامی کے بانی فرنگی محل لکھنؤ کے عالم مُلّا نظام الدین تھے۔ یہ ہمارے دورِ اقتدار میں آزاد تعلیم کا نظام تھا' جس میں طب' ہیئت وہندسہ بھی شامل تھے''۔(۴۳)

حضرت شاہ ولی اللہ نے ''الجزء اللطیف'' میں اپنی درسیات کو اس ترتیب سے لکھا ہے: کلام' فقہ' اصولِ فقہ' بلاغت' ہیئت وحساب' طب' حدیث' تفسیر اور تصوّف وسلوک کی کتابیں۔ (۴۴) ''قدیم عربی مدارس میں باوجود نقائص دو بڑی خوبیاں تھیں۔ ایک مطالعے کا شوق اور دوسرے کسی ایک فن میں کمال حاصل کرنے کی سعی' مثلاً فقہ' حدیث' منطق' فلسفہ وغیرہ میں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا علم حاضر ہوتا تھا اور جو کچھ وہ پڑھتے تھے (خواہ کیسا ہی غلط سہی) اسے سمجھتے تھے اور اس پر قدرت رکھتے تھے''۔(۴۵)

عثمانیوں کے قائم کردہ تعلیمی ادارے تین زمروں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں: اوّل' مکتب۔۔۔۔جن میں صرف قرآن پڑھایا جاتا ہے۔ دوم' اعلیٰ تعلیم کے ادارے جو

مدرسے کے نام سے موسوم تھے۔ یہ ہمارے زمانے کے کالجوں کی طرح ہوتے تھے۔ یہ مدرسے بیشتر مسجدوں سے ملحق ہوتے تھے۔ ان کی بھی قسمیں ہوتی تھیں۔ بعض دارالحدیث کہلاتے تھے' بعض کو دارالتدریس کہا جاتا تھا۔ مکتب اور مدرسوں کا یہ سلسلہ تو عہدِ سلجوقی میں ہی جاری ہو چکا تھا۔ سلجوقیوں نے اعلیٰ مدرسوں کے معاملے میں دورِ عباسی کے قائم شدہ مدرسوں کی تقلید کی تھی۔ سلطان مراد دوم نے سب سے پہلے ایک ایسے مدرسے کی ضرورت محسوس کی' جس کے فارغ التحصیل طلبہ دفتر اور فوج دونوں کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمد فاتح نے "مکتبِ عمومی" کی بنیاد رکھی۔ یہ مکتبِ عمومی قریباً چار سال تک بڑی شان و شوکت سے چلتا رہا۔ اس عجیب و غریب ادارے کا مفصل حال ترک مورخ طیارزادہ محمد عطا نے ۱۸۷۴ء میں پانچ جلدوں میں لکھا۔ اس کے نصاب میں ترکی زبان کے علاوہ عربی اور فارسی بھی شامل تھیں۔ قرآن' تفسیر' اسلامی قانون شریعت' فقہ' علم ہندسہ' موسیقی' ترک قوم کی تاریخ' اقلیدس اور جغرافیہ کی تدریس بھی شاملِ نصاب تھی اور طلبہ کی جسمانی تربیت پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ (۴۶)

الطاف حسین حالی نے عربی و دینی مدارس کے نصابِ تعلیم کی اصلاح کے لیے اپنے ایک مضمون میں چند تجاویز پیش کیں۔ یہ مضمون ندوۃ العلماء کے اجلاس ۱۸۹۴ء میں پڑھا تو نہ جا سکا' ان کے مقالات میں شامل ہے۔ اس میں انھوں نے لکھنے کی مشق پر زور دیا اور تجویز دی کہ عربی بولنے اور لکھنے کی مشق طلبہ کو اول ہی سے شروع کرائی جائے۔ نیز اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ تاریخ جغرافیہ کے علوم کو دنیا کی سب قوموں سے پہلے مسلمانوں نے ترقی دی' ان مضامین کو بھی شامل کرانے کی سفارش کی۔ (۴۷)

سرسید نے درسِ نظامی کے علوم اور مروجہ کتبِ نصاب کا تذکرہ کر کے اہلِ دانش کی توجہ مبذول کرائی کہ وہ اس کی تنقیح کریں اور خود معلوم کریں کہ اس طریقے میں تبدیلی کی ضرورت ہے یا نہیں۔ خود انھوں نے دو قسم کے نصاب تجویز کیے۔ تعلیمِ عام کا نصاب' تعلیمِ خاص کا نصاب۔ (۴۸)

فرد اور معاشرہ' دونوں کو اسلام ان کا جائز مقام دیتا ہے' اس لیے جو کچھ بھی مسلمان بچے کو پڑھانا مقصود ہو اس میں خدا اور رسول ﷺ کی قائم کردہ حدود کے سوا کسی پابندی کا جواز

نہیں۔ اسلامی نظامِ تعلیم کا نصاب مرتب کرتے وقت فرد کے ذہن کی نشو و نما اور درست سمت میں اس کی رہنمائی کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق انسانی مجد و شرف کا معیار محض تقویٰ ہے' چنانچہ نصابات کو اس طرح اسلامیایا جانا چاہیے کہ آخری نتیجہ فرد کے تزکیۂ نفس کی صورت میں نکلے۔ نصابِ تعلیم کو اس حقیقت کا ترجمان ہونا چاہیے کہ نسل و زبان و رنگ کا امتیاز برتری یا بہتری کی دلیل نہیں۔ مسلمان دنیا میں اللہ کی حکمرانی کا نظام قائم کرنے کا دعویدار ہے۔ مسلمان کے لیے محکومی کا کوئی تصوّر نہیں۔ اس لیے ہمارا نصابِ تعلیم فرد کو معاشرے کے کل کا صحت مند جُز بنائے اور اسے آدابِ حکمرانی سکھائے۔ اسلام تہذیب اور معاشرت کے اعلیٰ اصولوں کا علمبردار ہے۔ ہمارا نصابِ تعلیم اس حیثیت سے بھی اتنا مکمل اور مضبوط ہونا چاہیے کہ اس سے استفادہ کرنے والا ہر فرد انسانی تعلقات میں ہمدردی اور رواداری کو بنیادی بنائے' معاشرتی لحاظ سے بہترین اقدار کا حامل ہو اور تہذیب و اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہو۔

حواشی

(۱) ۸۱:۳ (۲) ۵۳:۳
(۳) ۳۸:۳ (۴) ۱۳۹:۲
(۵) ۱۱۳:۳ (۶) ۱۲۴:۳
(۷) ۲:۲ (۸) ۵۳:۳۱
(۹) ۱۹۰:۳'۱۹۱ (۱۰) ۱۰۰:۶
(۱۱) ۴۳:۳۰ (۱۲) ۴۸:۳۰_۵۰
(۱۳) ۱۶:۵_۸ (۱۴) ۱۶:۱۲'۱۳
(۱۵) ۸:۲۰

(۱۶) مجلہ برگ گل' اردو کالج' کراچی' ایوب نمبر' ص ۲۴۷' (مضمون 'اسلامی نظامِ تعلیم' از مفتی انتظام اللہ شہابی)

(۱۷) ماہنامہ برہان دہلی' مئی ۱۹۵۸ء' ص ۲۹۴' (مضمون 'اسلامی صنائع لطیفہ اور یورپی صنائع پران کا اثر' از اے۔ایچ کرسٹی' مترجمہ سید مبارز الدین رفعت)

(۱۸) مجلہ اسلامی تعلیمی لاہور جنوری فروری ۱۹۷۷ء ص ۲۰ (مضمون "مسلمانوں کی ثقافت میں کتاب کا کردار" از حافظ احمد یار)

(۱۹) ماہنامہ طلوع افکار کراچی اکتوبر نومبر ۱۹۷۰ء (مضمون "اسلامی عہد کے کتب خانے" از حسین انجم)

(۲۰) ماہنامہ المعارف لاہور دسمبر ۱۹۶۸ء ص ۲۶ (مضمون "حدیث رسول ﷺ کا اثر عربی زبان و ادب پر" از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر)

(۲۱) تفسیر الحسنات حصہ دوم ابو الحسنات سید محمد احمد قادری مرکزی دار التبلیغ مکتبہ حسنات لاہور ص ۳۲

(۲۲) اسلام اور عربی تمدن شاہ معین الدین احمد ندوی مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۲ء ص ۱۶۴

(۲۳) انتخاب مقالات شبلی اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۶۰ء ص ۷۷ (مضمون "مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم")

(۲۴) سہ ماہی اردو کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۷۵ء ص ۱۱۱ (مضمون "لفظ ادب کا مفہوم" از پروفیسر کارلو الفانسو نالیف مترجم ڈاکٹر محمد ریاض)

(۲۵) انتخاب مقالات شبلی ص ۷۲

(۲۶) مسلمانوں کے افکار میاں محمد شریف ص ۳۶

(۲۷) افکار ابن خلدون محمد حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۹ء ص ۱۹۱

(۲۸) مجلہ اسلامی تعلیم لاہور جنوری فروری ۱۹۷۷ء ص ۲۶

(۲۹) اعجاز القرآن سید سرور حسین اشاعت العلوم پریس لکھنؤ ۱۹۳۰ء ص ۵۷

(۳۰) مکتوبات نبوی سید محبوب رضوی نذیر سنز لاہور ۱۹۷۸ء ص ۴۰

(۳۱) مجلہ ثانوی تعلیم لاہور جون ۱۹۶۷ء ص ۱ (مضمون "تدوین نصاب کے اساسی عوامل" از ڈاکٹر محمد عبدالعزیز)

(۳۲) تعلیم و تعلّم منور ابن صادق صادقیہ پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۳ء ص ۹۳

(۳۳) مجلہ برگ گل کراچی ایوب نمبر ص ۳۲۸

(۳۴) ۲۴ تا ۲۷ اگست ۱۹۶۹ء کو علماء سیمینار منعقدہ بی۔این۔آر سنٹر لاہور میں مولانا حسن الدین ہاشمی استاذ فقہ و قانون جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا مقالہ "اسلام کا نظام مدارس"

(۳۵) تعلیمی مقالات مجلس تعلیمات پاکستان لاہور ص ۶۱ (مضمون "کیا درس نظامی محض ایک دینی نصاب ہے" از حافظ نذر احمد)

(۳۶) ہمارا قدیم نظام تعلیم اور اس کو تقاضے الطاف جاوید محکمہ اوقاف مغربی پاکستان لاہور ص ۴۵

(۳۷) ہمارا نظام تعلیم محمد صغیر حسین جامعہ عالیہ صدیقیہ آلو مہار شریف ص ۷

(۳۸) تعلیم و تعلّم ڈاکٹر سعید حسن لطیف برادرس الٰہ آباد ۱۹۵۰ء ص ۲۵، ۲۶

(۳۹) مجلہ ثانوی تعلیم لاہور مارچ ۱۹۷۱ء ص ۴۴ (مضمون "مقصد تعلیم" از عباد اللہ فاروقی)

(۴۰) ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد اپریل مئی ۱۹۶۶ء ص ۱۰۷

(۴۱) مباحث از ڈاکٹر سید عبداللہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۵ء ص ۸۸-۸۹

(۴۲) مجلہ برگ گل ایوب نمبر ص ۲۳۱

(۴۳) دو ماہی "اسلامی تعلیم" لاہور ستمبر اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۲۶۷ (مضمون "دینی درسگاہوں میں نصاب کا مسئلہ" از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی)

(۴۴) برگ گل ایوب نمبر ص ۲۳۶

(۴۵) برگ گل ایوب نمبر ص ۲۵۱

(۴۶) سہ ماہی اردو کراچی جولائی تا ستمبر ۱۹۷۶ء (مضمون "عثمانیوں کے عہد کے مدارس اور ان کا نصاب" از امتیاز محمد خاں)

(۴۷) ماہنامہ المعارف لاہور جنوری ۱۹۷۰ء ص ۴۱

(۴۸) سہ ماہی اردو کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۷۷ء ص ۱۶۷ (مضمون "سرسید کے تعلیمی نظریات" از خواجہ منظور احمد)

(سہ ماہی مجلہ "فروزاں" لاہور کے جولائی ۸۲ تا جون ۱۹۸۳ کے شمارے میں مطبوعہ)

☆☆☆☆☆

مسلمانوں کی علمی سرگرمیاں

کسی بھی ترقی پذیر ملک کا بنیادی مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں تعلیم عام ہو لیکن تعلیم کے حوالے سب سے اہم سوال یہ ہوتا ہے کہ تعلیم کس مقصد سے ہو۔ ہم تعلیم دلا کر بچوں کو کیا بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ مقصدِ تعلیم کی تعیین کے بعد منزل کا حصول مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے تعلیمی نصابات بھی کسی مقصد کی تعیین کے بغیر مرتب ہوتے رہے اور پڑھنے والے اور پڑھانے والے بھی محض ملازمت کے نقطۂ نظر سے تعلیم سے متعلق رہے!

اوّل تو ہمارے ملک میں خواندگی کا تناسب بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ملک کا ۸۰/۸۵ فی صد طبقہ یکسر ناخواندہ ہے۔ ان پڑھ لوگوں کو قومی اور اجتماعی معاملات میں تعلیم یافتہ لوگ ہی رہنمائی دے سکتے ہیں' لیکن خود تعلیم کے ذریعے ہم بی اے' ایم اے یا اس سے بڑی ڈگریاں تو حاصل کر لیتے ہیں' اس سے ملک وقوم کی خدمت کا کوئی تصوّر نہیں اُبھرتا اور وہ ملک کے مختلف شعبوں میں ترقی کی کوئی لائن اختیار نہیں کر سکتے۔

موجودہ تعلیم کے تحت نوجوانوں کو صرف پڑھایا جاتا ہے' عمل کے لیے تیار نہیں کیا جاتا۔ اُنھیں اس بات کا شعور نہیں دلایا جاتا کہ بڑے ہو کر اُنھیں کیا بننا چاہیے؟ علم کو محض دولت کمانے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ انسانی رہنمائی کے فرائض کی انجام دہی کا اس میں کوئی تصوّر سرے سے موجود ہی نہیں ہے!

ہم مسلمان ہیں' ہم نے پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ کی حیثیت دی تھی۔ تو سب سے پہلے ہمیں تعلیم کو ''اسلامیانا'' چاہیے تھا۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ ہم نے تعلیم کے ذریعے قوم کے نونہالوں کو بہتر انسان اور بہتر مسلمان بنانا ہے۔ ایک پاکیزہ معاشرے کی تعمیر اور خدا کے خوف کی بنیاد پر قائم نظامِ حیات کے احیا و نفاذ کی بنیادی ضرورت تعلیم کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا تھا۔ طلبہ کو اخلاقی تربیت دینا اور ان کو ملک کے مستقبل کے رہنماؤں کی حیثیت سے تیار کرنا چاہیے تھا۔ مگر ہم نے نوجوانوں کو تعلیم کے ذریعے محض کلرک یا افسر

ہے۔ ابن الہیثم نے آنکھ کی ساخت کا مفصل اور مکمل بیان کیا۔ فوٹوگرافی کی ایجاد کا سہرا اسی سائنس دان کے سر ہے۔ کتنے لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ جابر ابن حیان نے علمِ کیمیا میں تجربات کو ضروری قرار دیا اور فنِ جراحی کے سلسلے میں معاون مختلف دوائیں ایجاد کیں۔ کیا ہم اپنی نوجوان نسل کو یہ بتاتے ہیں کہ بوعلی سینا کی تالیف ''القانون'' اپنے موضوع پر پہلی منظم اور واضح کتاب ہے۔ بوعلی سینا پہلا معالج ہے جس نے علاج میں نفسیات کی اہمیت کو تسلیم کیا اور اسے رواج دیا۔ ہم میں سے کتنے پاکستانی اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ جس شخص راجر بیکن کو ہم سائنس دان سمجھتے ہیں' خود وہ اپنی کتابوں میں مسلمان سائنس دانوں کے علوِ فکر کا ذکر کرتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ اس نے عرب سائنسدانوں سے استفادہ کیا ہے۔ کیا ہمارے طالب علموں کو کسی سطح پر یہ پڑھایا جاتا ہے کہ الجبرا کی ابتدا محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے کی۔ فارسی کے مشہور شاعر اور ادیب نصیر الدین طوسی اور مصر کے ماہر ریاضی بہاء الدین نے ریاضی میں قابلِ قدر کتابیں لکھیں۔ اسی طرح محمد القبانی اور ابوالوفاء کی شخصیتیں علمِ مثلثات پر حکم کی حیثیت رکھتی ہیں اور جابر بن الفلاح ہسپانوی نے علمِ ہیئت پر نہ بھلایا جانے والا کام کیا۔

ہمارے فارسی یا اُردو کے طالب علم شاید یہ تو جانتے ہوں کہ عمر خیام رباعیات کی وجہ سے مشہور ہے لیکن کوئی یہ بھی کہہ سکے گا کہ وہ علمِ نجوم کا ماہر اور معروف حساب دان تھا۔ کیا ہم ریاضی پڑھاتے ہوئے کبھی طلبہ کو اس حقیقت کی ہوا بھی لگنے دیتے ہیں کہ حساب میں صفر کو عربوں نے رائج کیا اور مغرب نے مسلمانوں سے ڈھائی تین سو سال بعد صفر کا استعمال شروع کیا۔ کیا ہمیں معلوم ہے کہ ''عریبک نیومرلز'' (عربی ہندسے) اس لیے اس نام سے پکارے جاتے ہیں کہ ہندسے مسلمانوں کی ایجاد ہیں۔ کیا اس بات کی تعلیم دی جاتی ہے کہ رازی علم الامراض کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے پہلی بار چیچک اور خسرہ کا علاج دریافت کیا تھا۔ ابوالعباس فرغانی' البیرونی اور الزرقانی مشہور ماہرینِ فلکیات تھے اور ستاروں اور زمین کی حرکتِ محوری کو انھوں نے ثابت کیا۔ ان کی تالیفات کا مغرب کی زبانوں میں ترجمہ ہوا مگر ہم ان کے ناموں سے بھی ناواقف ہیں۔ ہسپانیہ کے مشہور فلسفی' مفکر اور ادیب ابن رشد سے سینکڑوں برس تک مغرب نے رہنمائی حاصل کی مگر ہماری نوجوان پود کو ان کا نام

تک معلوم نہیں۔ ہمارا نظامِ تعلیم کسی کو معلوم ہی نہیں ہونے دیتا کہ وہ اسازی کو پہلی بار تجارتی اور صنعتی پیمانے پر عربوں ہی نے منظم کیا تھا اور جو فارما کو پیا تیار کیا تھا' صدیوں تک رائج رہا۔ گھڑی عربوں نے ایجاد کیا۔ عینک مسلمانوں نے ایجاد کیا۔ جہاز رانی کے لیے قطب نما کی ایجاد کا سہرا عربوں کے زمانے کے سر تھا۔ قطبی نے گھڑی ایجاد کی' اور موسیٰ نے اصطرلاب (ستاروں کی بلندی معلوم کرنے والا آلہ) ایجاد کیا۔ غرضیکہ وہ کون سا علمی اور سائنسی شعبہ ہے جس میں اولیت کا سہرا مسلمانوں کے سر نہیں لیکن ہماری تعلیم ہمیں اپنے ماضی سے اتنا بے گانہ کر دیتی ہے کہ نوجوان نسل تو جوان نسل ٹھہری' بڑے بوڑھے ہی کتنے ہیں جو ان حقائق سے آگاہ ہیں!

سوال یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ''کولھو کا بیل'' ہی بناتے رہیں گے یا ان میں جدّتِ افکار اور حدّتِ کردار بھی پیدا کر سکیں گے! ہماری تعلیم طلبہ کو اچھا انسان اور اچھا مسلمان بننے پر کب مائل کر سکے گی؟ ہم دوسری قوموں کے سامنے سر اٹھا کر کب یہ کہ سکیں گے کہ ہماری تعلیم کا بھی کوئی مقصد' کوئی نصب العین' کوئی مطمحِ نظر ہے۔ ہم کبھی اپنے ماضی کی شاندار علمی روایات کی پاسداری کی طرف بھی رجوع کریں گے یا ہمیں پتا ہی نہیں چلنے دیا جائے گا کہ ہمارا ماضی کیا تھا؟ ہمارے نوجوانوں کو درسگاہوں میں کبھی اخلاقی تربیت اور ذہنی نشو و نما کا سبق بھی مل سکے گا۔ آخر ہم کب اپنی حالتِ زار کا احساس کریں گے؟

(علاقوی تعلیمی بورڈ لاہور کے مجلّہ ''افکار و کردار'' میں مطبوعہ۔ جلد ۵۔ شمارہ ۳۲۔ ۱۹۷۶ء)

☆☆☆☆☆

شریعتِ محمدی (ﷺ) کا تیسرا ماخذ

اجتہاد

''عن عبد اللّٰہ بن عمرو وابی ھریرۃ قالا قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا حکم الحاکم فاجتھد واصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد واخطاء فلہ اجر واحد''۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی فیصلہ کرنے والا اجتہاد کے ذریعے دُرست فیصلہ کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد کے نتیجے میں غلطی ہو گی تو بھی اس کے لیے ایک ثواب ہے۔

اسلام دین کامل و اکمل ہے۔ دینِ متین انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ یہاں عقائد و عبادات سے لے کر سیاست و حکومت تک اور معیشت و معاشرت سے لے کر انصاف و عدالت تک کے لیے رہنما اصول موجود ہیں۔

یہاں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ عبادات تو محمدؐ رسول اللہ (ﷺ) کے بتائے ہوئے طریقے پر کر لی جائے لیکن سیاست و حکومت کے انداز سیکھنے کے لیے کہیں اور سے دریوزہ گری کی جائے' یا معیشت کے لیے کسی اور در پر ہاتھ پھیلائے جائیں۔

ہر شعبۂ زندگی میں پیش آمدہ حالات و واقعات کے لیے قانونِ اسلامی کا پہلا ماخذ قرآن مجید ہے:

''إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ''

(النساء۔ ۴:۱۰۵) ''بے شک ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ اُتاری ہے تاکہ لوگوں کے درمیان آپ اس طرح فیصلہ کریں جیسے اللہ آپ کو دکھائے''۔

قرآن کے بعد حدیث و سُنّتِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم شریعت اسلامی کا

دوسرا ماخذ ہے۔ مرتبے میں قرآن سے مؤخر ہونے کے باوصف 'سُنّت' بجائے خود ایک مستقل مصدرِ قانون ہے۔

اور اگر کوئی ایسا معاملہ آ پڑے جس میں براہِ راست قرآن و سنت سے رہنمائی نہ ملتی ہو تو وہاں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے جو قانونِ اسلامی کا تیسرا ماخذ ہے۔

اجتہاد کا مادہ ''ج ہ د'' ہے۔ لُغوی طور پر اجتہاد کا معنٰی انتہائی کوشش کرنا ہے' اصطلاح میں دین کے سرچشموں سے احکام استنباط کرنے کی کوشش کو اجتہاد کہتے ہیں۔

امام شاطبی ''الموافقات'' میں فرماتے ہیں کہ ''اجتہاد شرعی احکام معلوم کرنے اور ان کی حالات پر تطبیق کی انتہائی کوشش کا نام ہے''۔ (جلد ۴' ص ۸۶)

مشکوٰۃ شریف ''باب العمل فی القضاء والخوف منہ'' کی جو متفق علیہ حدیث پاک پڑھی گئی ہے' اس میں اسلام کے نظامِ عدالت و انصاف کے حوالے سے اجتہاد کی بات کی گئی ہے' حضور محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا کہ اگر فیصلہ کرنے میں اجتہاد میں کام لیا گیا اور دُرست فیصلہ کیا گیا تو فیصلہ کرنے والے کو دو ثواب ملیں گے لیکن اگر اجتہاد کے نتیجے میں درست فیصلہ نہ بھی ہو تو بھی اُسے ایک ثواب مل کر رہے گا۔

مجتہد کی یہ عظمت اس لیے ہے کہ وہ قرآن و سُنّت کے احکام سے واقف ہے۔ جس پیش آمدہ معاملے میں اسے براہِ راست قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل نہیں ہوتی' وہاں وہ انہی مصادر کے اصولوں کی رہنمائی میں نئے پیش آنے والے مسئلے کا حل تلاش کرتا ہے۔ اس کی نیت نیک ہے' وہ اسلام کے رہنما اصولوں کی حالاتِ زمانہ پر تطبیق کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے میں اگر وہ کسی درست فیصلے پر نہ بھی پہنچے تو بھی کم از کم ایک اجر کا حق دار ضرور ہے۔

اسلام نے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کُھلا رکھا ہے اور ایک ہمہ گیر اور تمام دنیا کے لوگوں کی تاقیامت رہنمائی کرنے والے دین کی حیثیت سے اس کے لیے ضروری بھی ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں' مختلف جغرافیائی اور طبعی حالات اور نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل و واقعات کے پیشِ نظر' قرآن و سنّت کی مدد سے تخریج مسائل کر کے احکام میں تطبیق پیدا کرنے کو اہم سمجھے۔ ہر زمانے میں اُمتِ مُسلمہ نے اجتہاد سے کام لے کر عمل کی راہیں روشن کی ہیں' لیکن اس دینِ فطرت نے ہر کس و ناکس کو اجتہاد کا حق نہیں دیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ مجتہد کے لیے پانچ خصوصیات ضروری قرار دیتے ہیں:

اوّلاً: وہ قرآن و سنّت کے اَحکام سے متعلق حصّوں پر گہری نظر رکھتا ہو۔ نصوصِ خاص اور نصوصِ عام' نصِ مجمل اور نصِ مبین کے بارے میں جانتا ہو۔ اسے ناسخ اور منسوخ احکام کے بارے میں علم ہو۔

ثانیاً' احادیث کے متعلق تمام ضروری معلومات رکھتا ہو۔

ثالثاً' اسے لُغوی اور نحوی' دونوں اعتبار سے زبانِ عربی پر عبور ہو۔

رابعاً' صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے اجماعی اور اختلافی اقوال کے بارے میں خبر رکھتا ہو۔

اور خامساً' قیاس کی حقیقت اور اس کی اقسام سے واقف ہو۔

ان خصوصیّات کا حامل عالم ہی' اس بات کا حق رکھتا ہے کہ جن مسائل میں قرآن و سنّت خاموش ہوں' وہ اُن میں غور و فکر کے بعد کوئی حل نکالے۔ اگر ایسا منصف مسندِ قضا پر متمکن ہو کر' اجتہاد کے ذریعے کسی معاملے کا فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ درست ہو ''اذا حکم الحاکم فاجتھد واصاب'' تو رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''فلہ اجران'' ''اس کے لیے دُہرا ثواب ہے۔ لیکن'' واذا حکم فاجتھد واخطاء'' اگر وہ اجتہاد کے نتیجے میں جو فیصلہ کرتا ہے' درست نہ بھی ہوا تو ''فلہ اجر واحد'' ایک ثواب اسے مل کر رہے گا۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان لاہور)

☆☆☆☆☆

احتساب --- احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

راجا رشید محمود

جب اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات کہتے ہیں تو عام طور سے صرف یہ قرار دیتے ہیں کہ اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ قرآن کریم اور احادیثِ مقدسہ میں ایسے معاملات و مسائل میں بھی رہنما اصول دیے گئے ہیں جو ہمیں قیامت تک کے عرصے میں پیش آتے رہیں گے۔ ہم قرآن و احادیث سے معاشیات و اقتصادیات، معاشرت و سماجیات، سیاسیات اور ضرورت کے مطابق دیگر پہلوؤں کے بارے میں ضروری نکات کی تلاش کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس تلاش میں کامیاب رہتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات سے استفادے کی یہ صورت مثالی نہیں۔ جو آئین دنیا میں مروّج ہیں، ان میں اور اسلام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ دانش وروں اور قانون دانوں کے بنائے ہوئے ہیں جب کہ یہ دانش و قانون کے خالق کا نافذ کردہ ہے۔ بندوں کے مرتب کردہ مسودۂ آئین میں مختلف شعبہ ہائے حیات کے لیے الگ الگ اصول مرتب ہوتے ہیں، جن پر بعد میں قانون سازی کی جاتی ہے، مگر خلاقِ عوالم (ﷻ) کے دیے ہوئے آئین میں حیاتِ انسانی کے تمام انفرادی اور اجتماعی رویوں کو درست سمت دکھائی گئی ہے

اور اس میں کسی شعبۂ زندگی کے لیے الگ ضوابط مقرر نہیں ہوئے۔ ہر شعبۂ حیات دوسرے شعبۂ حیات سے پوری طرح مربوط و منسلک ہے اور اسی انسلاک و ارتباط کے باعث وہ برگ و بار دیتا ہے، جو خالقِ ہر کائنات کا منشا ہیں۔[۱]

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، ان معنوں میں کہ اس کے ایک ایک حکم، تشویق و تحریک کی ایک ایک شق اور ہدایت کی ایک ایک شکل میں ہمہ پہلو رہنمائی ملتی ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان میں ایتائے زکوٰۃ کو شامل رکھا گیا ہے، جو در حقیقت حقوق العباد کو پورا کرنے کی بہت بڑی شق ہے، اس کا تعلق حسنِ معاشرت سے بھی ہے۔ یہی معاشیات کی ابجد ہے اور عبادت تو یہ بنیادی طور پر ہے ہی۔

اسلام ایسا دین ہے، جس میں پورے کے پورے داخل ہو جانے کا الوہی حکم موجود ہے[۲] اس میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ ہم عبادت تو اپنے آقا و مولیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کے بتائے ہوئے طریقے پر کر لیں لیکن معاشیات کے لیے کسی یہودی کے در پر ہاتھ پھیلائیں اور سیاست و حکومت کے گر سیکھنے کے لیے "مغرب" کی دریوزہ گری کریں۔ کیوں کہ یہاں ایک ایک نکتے میں کئی نظام پوشیدہ نظر آتے ہیں، ایک ایک ہدایت میں حیاتِ انسانی کی کئی جہتوں کو روشنی ملتی ہے، اس طرح مختلف منازل کو طے کرنے کے لیے یہی ایک "صراطِ مستقیم" کافی ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً باجماعت نماز کا تصور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی حیثیت میں نظامِ عبادات کی اساس ہے، وہاں معاشرے میں اونچ نیچ، نسل و رنگ کے اختلافات اور امیر و غریب کی طبقاتی تفریق کو ختم کرنے کی بنیاد بھی ہے۔ یہی کام اجتماعیت کا شعور اجاگر کرنے کی راہ ہے اور الفت، پیار، اخلاص اور ایثار کے ذریعے ایک مثالی، صالح اور مخاصموں سے پاک معاشرہ تشکیل دینے میں پہلے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

جب آپ ربِ کریم (جل شانہ العظیم) اور اس کے محبوبِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کے احکام و ارشادات میں سے کسی کی تعمیل میں کوشاں ہوتے ہیں تو در اصل زندگی کے تمام پہلوؤں کی اصلاح کے لیے کام کر رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً حضور سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

> "گوشت پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ کر لیا کرو اور اپنے ہمسائیوں کا خیال رکھو"---[۳]

حضور پرنور ﷺ کا حکم ہونے کی حیثیت میں یہ عبادت ہے۔ پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے کی شکل میں یہ حسنِ معاشرت کی اعلیٰ مثال ہے اور جب ہر آدمی اس طرح اپنے ہمسائے کا

خیال رکھے گا تو پورے معاشرے میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا، اس لیے یہ معیشت کا بنیادی مسئلہ حل کرنے کی مثالی صورت بھی ہے۔ نیز یوں اخوت کا رشتہ جس طرح مضبوط و مستحکم ہوگا، جس طرح محبتیں بڑھیں گی، جس طرح ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا احساس قوی ہوگا، وہی اسلام کا مطلوب و مقصود ہے۔

جہاں تک احتساب کا تعلق ہے، اسلامی تعلیمات میں اس کا عمل دخل مومن کی ہر انفرادی اور مومنوں کی ہر اجتماعی کارروائی یا کارکردگی میں ہے اور جب تعلیمات خدا و رسول خدا (ﷻ و ﷺ) کے متعلق اس حوالے سے بات کی جائے تو ''بے لاگ'' کا سابقہ غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام کے کسی ضابطے میں لاگ لپٹ، کیا کیوں اور اگر مگر کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ''کس نے کیا'' اور ''کس کا ہوا'' کی کوئی اہمیت نہیں۔ حضور رسول انام ﷺ نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ ---

''تم میں سے ہر ایک حاکم/نگران ہے اور ہر ایک اپنے ماتحت/زیر نگرانی افراد کے لیے جواب دہ ہے'' ---

اس حدیث پاک میں ''راعی'' اور ''رعایا'' کا ذکر شرح و بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ [۴]

اسلام میں ہر شخص اپنے زیر نگرانی یا زیر اہتمام لوگوں کے بارے میں بھی اپنے ہر عمل کے متعلق جواب دہ ہے۔ جواب دہی کا یہی احساس انسان کو اچھا انسان اور مومن کو مومن کامل بناتا ہے۔ یہ جواب دہی احتساب ہی کا دوسرا نام ہے اور اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

مسلمان اپنے ہر عمل کے بارے میں احتساب کی زد میں ہے، جواب دہ ہے۔ حتیٰ کہ ہم عبادت کے سلسلے میں بھی جواب دہ ہیں کہ کہیں اس میں دکھاوے کی، ریا کی ملاوٹ تو نہیں ہو گئی۔ جامع ترمذی میں ایک طویل حدیث ہے، جسے سناتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ ؓ کئی بار بے ہوش ہوئے۔ حضور رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سب سے پہلے قیامت کے دن تین آدمیوں کا حساب لیا جائے گا۔ قرآن کریم حفظ کرنے والا کہے گا، یا اللہ! میں تیرے لیے تیرے کلام کی تلاوت کرتا رہا۔ رب فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تو نے تو قاری کہلانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ پھر ثروت مند شخص آئے گا، اللہ تعالیٰ پوچھے گا، میں نے تجھے مال دیا تھا، تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا، میں تیری عطا کردہ دولت سے صلہ رحمی کرتا رہا، خیرات کرتا رہا۔ فرشتے بھی یہی کہیں گے اور

اللہ تعالیٰ بھی فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے، تو نے تو سخی اور مخیر کہلوانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ پھر شہید آئے گا اور کہے گا، یا اللہ! میں تیری راہ میں لڑا اور شہید ہوا۔ فرشتے کہیں گے، تو جھوٹا ہے۔ رب بھی فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تو نے بہادر مشہور ہونے کے لیے یہ کام کیا تھا۔ حضور فخر موجودات ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ کے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا، ابو ہریرہ! سب سے پہلے یہی جہنم کا ایندھن بنیں گے'' --- [۵]

اس سے اگلی حدیث میں جہنم کی اس وادی کا ذکر ہے، جس سے جہنم خود دن میں کئی مرتبہ پناہ مانگتا ہے۔ حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا:

''ریاکاری کے لیے قرآن پڑھنے والے اس میں پھینکے جائیں گے'' ---

مطلب یہ کہ عبادات بجا لاتے ہوئے بھی یہ احساس زندہ رہنا چاہیے کہ ان معاملات میں بھی احتساب ہوگا اور بڑی بڑی عبادتیں کرتے دکھائی دینے والے، نیت کی خرابی یا ریاکاری کی چکاچوند کے باعث جہنم کے اولین باسی بن سکتے ہیں۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلامی نظام کا ہر گوشہ دوسرے گوشے سے اور ہر پہلو دوسرے پہلو سے مربوط ہے۔ اسلام کے ہر ہر حکم کی کئی جہتیں ہیں اور اس میں کئی کئی پہلوؤں سے اصلاح کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں، لیکن اگر ہم صرف معیشت کا ذکر کریں تو اسلام فرد کو معاشی جدوجہد کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اس کی نجی ملکیت کو تسلیم بھی کرتا ہے، مگر ساتھ ساتھ وہ کمائی کے ذرائع کے جائز اور حلال ہونے پر زور دیتا ہے اور حصول معاش کی آزادانہ سعی میں حلال و حرام کی حدیں متعین کرتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں صاحب ثروت با عزت ہے، اس کی دولت کے ذریعے کے بارے میں چھان بین اور احتساب کا تصور بھی گزشتہ نصف صدی سے عنقا چلا آ رہا ہے۔ حضور نبی الانبیاء ﷺ نے ہمارے دور پُر فتن کی خبر پہلے ہی دے دی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگوں پر ایک دور ایسا آئے گا، جب اس بات کی پروا نہیں کی جائے گی کہ مال حرام راستے سے آیا ہے یا حلال اور جائز راستے سے'' --- [۷]

حضور سرکار دو عالم ﷺ نے جائز اور ناجائز کمائی کے سارے راستے کھول کر بیان فرما دیے، مثلاً اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کمانے کو سب سے بہتر قرار دیا [۸] اور رشوت دینے والے اور لینے والے، دونوں پر لعنت فرمائی [۹] ہم دیکھ رہے ہیں کہ ذرائع آمدن کے حوالے سے اسلام کا نظام احتساب

سوال پر اپنا "دیوالیہ پن" ظاہر کر دیتے ہیں۔ اصل میں یہ دیوالیہ پن ایمان کے حوالے سے ہوتا ہے۔ واضح ہوا کہ سود لینے والے، سود دلوانے والے اور اس معاملے کے گواہوں کا احتساب بھی ضروری ہے اور قرض لے کر ہڑپ کر جانے والوں کے خلاف سخت تعزیری اور تادیبی کارروائی بھی لابدی ہے۔

خدا اور رسولِ خدا (ﷻ و ﷺ) نے جہاں مفلوک الحال لوگوں کی مدد کا نظام جاری فرمایا ہے، وہاں سوال کرنے کی ممانعت بھی فرمائی ہے[۱۶] یعنی جہاں اہلِ ثروت کا احتساب ہوگا کہ انھوں نے عسرت زدہ لوگوں کی مدد کیوں نہیں کی؟ وہاں مانگنے والوں کا بھی احتساب ہوگا۔

اسلام میں سزا کے علاوہ جزا کا تصور یوں ساتھ ساتھ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

"سچا، امانت دار تاجر مسلمان، قیامت کے دن شہدائے اسلام کے ساتھ ہوگا" ---[۱۷]

معاشرت اور سماجیات کے حوالے سے حضور رحمتِ ہر عالم ﷺ نے بدگمانی سے بچنے، عیب جوئی نہ کرنے، دشمنی نہ رکھنے اور کسی مسلمان بھائی سے قطعِ تعلق نہ کرنے کا حکم دیا ہے[۱۸] والدین کا حکم نہ ماننے کو گناہِ کبیرہ فرمایا ہے[۱۹] حضور سرورِ کائنات ﷺ نے جھوٹ سے اجتناب کو مومن کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ فرمایا:

"جھوٹ سے بچو، کیوں کہ یہ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم تک پہنچا دیتا ہے، سچ بولا کرو، کیوں کہ یہ نیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور نیکی جنت تک لے جاتی ہے" ---[۲۰]

صفوان بن سلیم کہتے ہیں، حضور رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا:

"مومن بزدل ہو سکتا ہے" ---

فرمایا: "ہاں" ---

عرض کیا گیا: "مومن بخیل ہو سکتا ہے؟" ---

فرمایا: "ہاں" ---

پوچھا گیا: "مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟" ---

فرمایا: "نہیں" ---[۲۱]

احتساب کے نقطۂ نظر سے مفہوم یہ ہے کہ بدگمانی کے مرتکب عیب جوئی کرنے والے، کسی سے دشمنی یا تعلقات کے انقطاع کو دوام بخشنے والے، ماں باپ کا حکم نہ ماننے والے، جھوٹ

ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اگر پاکستان میں پہلی بار کوئی اس دینی راہ کو اختیار کرتا ہے تو اس کا اقدام یقیناً لائقِ تحسین ہے۔

ذرائعِ آمدن کی جواب دہی کے ساتھ اسلام میں اکتناز و احتکارِ زر کی سخت ممانعت ہے۔ مال کی محبت کو مذموم قرار دیا گیا ہے اور بخل و امساک، زر پرستی، دولتِ دنیا کی حرص و ہوس اور خوش حالی پر فخر و ناز کی بھی مذمت کی گئی ہے[۱۰] حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے ضروری حقوق کی ادائی میں بخل سے کام لیا، وہ جب ہلاک ہوگا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا[۱۱] اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی سے بھی منع فرمایا ہے تو اسراف کرنے والوں کو بھی شیطان کا بھائی قرار دیا ہے" ---[۱۲]

آمدن اور خرچ پر تحدید کے ساتھ ساتھ اسلام نے تقسیمِ دولت کا مثالی نظام دیا ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی، عسرت زدوں کی امداد، مالی کفاروں اور صدقات کا وسیع نظام گردشِ دولت کو جو شکل دیتا ہے، اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام میں احتساب ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

اگر کوئی شخص، گروہ یا ادارہ کمائی کا جائز طریقہ اختیار نہیں کرتا، قومی دولت کا غلط استعمال کرتا ہے، کرپشن میں ملوث ہے، قوم و ملک کا سرمایہ اُدھار لیتا ہے اور ہڑپ کر جاتا ہے، رشوت لینے یا دینے کا مرتکب ہوتا ہے، اس کی کمائی کے ذرائع جائز نہیں ہیں، تو اگر اسلام نافذ ہوتا، ہم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو چکے ہوتے، ہماری انفرادی و اجتماعی زندگیاں اسلام کے متعین کردہ حقوق و فرائض کو انجام دیتے ہوئے گزر رہی ہوتیں تو ایسی صورتیں پیدا نہ ہو سکتیں، لیکن اگر ایسی صورتیں پیدا ہو ہی گئی ہوں، تو ان کا فوری تدارک اور قومی دولت کے ضیاع کا فوری ازالہ ضروری ہوگا۔

اسلام نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام فرمایا ہے۔ حضور فخرِ موجودات ﷺ نے ربوٰ (سود) کا لین دین کرنے والوں کو جہنمی فرمایا ہے اور یہ کہ ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے[۱۳] حضور ﷺ نے سود کھانے والے اور اس کے گواہ پر بھی لعنت فرمائی ہے[۱۴] حضور رسولِ انام ﷺ نے بغیر ضرورت قرض لینے اور زندگی میں قرض ادا نہ کرنے کو گناہِ کبیرہ کے بعد سب سے بڑا گناہ فرمایا اور ایسے مقروض اشخاص کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے احتراز فرمایا[۱۵] اس صورت میں آج کل کے ان ظالموں کو تو جو بھی زیادہ سے زیادہ سزا ملے، وہ کم ہے۔ جو قومی دولت کو لوٹنے ہی کے لیے قرض کے نام پر حاصل کرتے اور پھر "معاف" کروا لیتے ہیں یا ڈکار جاتے ہیں اور اس قرض کی واپسی کے

بولنے والے اور ہر قسم کی منہیات کا ارتکاب کرنے والے کی جواب دہی اور احتساب، اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومت کا حق ہی نہیں، فرض ہے۔

سیاست کی دنیا پر نظر دوڑائیں تو اسلام میں طلبِ جاہ و منصب کی مناہی ہے۔ حضور رحمتِ ہر عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حکومت کی حرص ناپسندیدہ ہے، جو حکومت مانگے گا اسے اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر بغیر مانگے حکومت ملے گی تو اللہ اس کی مدد فرمائے گا'' ---[۲۲]

حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں کہ میں دو آدمیوں کے ساتھ حضور پُر نور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے عرض کی:

''ہمیں حکومت کے سلسلے میں کوئی ذمہ داری سونپ دیں'' ---

حضور فخرِ موجودات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو حکومت طلب کرے، ہم اسے سب سے جھوٹا سمجھتے ہیں (یا فرمایا کہ) جو عہدے کی خواہش رکھے، وہ اس عہدے کے لائق ہی نہیں ہوتا'' ---[۲۳]

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمنائے جاہ و منصب اور عہدہ طلبی اسلام میں ممنوع ہے۔ سیاست کے حوالے سے اسلام احتساب کا یہ رُخ متعین کرتا ہے۔ کاش! کوئی اس طرف توجہ دے۔

ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ تعلیماتِ نبوی (ﷺ) کی روشنی میں احتساب ہر قدم پر ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ اس سے مبرا نہیں اور یہ احتساب ہمیشہ بے لاگ ہوتا ہے۔ کوئی لاگ لگاؤ اس کے اثر و نفوذ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔

اسلام نے مسلمان کی جان و مال و آبرو کو دوسرے مسلمان کے لیے حرام قرار دیا ہے[۲۴] حضرت عمرو بن احوص ؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے دن حضور ﷺ فرما رہے تھے:

''بے شک تمہارے خون، تمھارے مال اور تمہاری آبرو اسی طرح حرام ہیں، جس طرح آج کا دن حرام ہے'' ---[۲۵]

حضور پاک ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ بھی فرمایا:

''میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو'' ---[۲۶]

مطلب یہ ہے کہ جو بد بخت کسی مسلمان بھائی کی جان و مال اور آبرو کو برباد کرے گا، اس کا احتساب لازمی ہے۔

یہ بنیادی طور پر حکومت کی ذمہ داری ہے مگر اس کے لیے پورا معاشرہ، معاشرے کا ہر فرد بھی ذمہ دار ہے۔ اس سلسلے میں سامنے آنے والی کسی کوتاہی پر اربابِ حکومت بھی جواب دہ ہوں گے۔ ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کرنے والا بھی احتساب کی زد میں آئے گا اور اگر مظلوم نے اپنی جان و مال و آبرو کو اس کیفیت میں رکھا تھا کہ اس پر ظلم کرنا، اسے چوری کرنا یا اسے ضرر پہنچانا آسان ہو تو اپنی اس کوتاہی پر وہ بھی احتساب کی زد میں آئے گا۔

اسلام میں احتساب کا دائرہ کسی طرح بھی محدود نہیں۔ اس میں جہاں مجرموں کا احتساب ضروری ہے، وہاں ریا کاری پر عبادات کی عمارت کھڑی کرنے والوں کا، کمانے والوں کا، خرچ کرنے والوں کا، سوال کرنے والوں کا، قرضے ہڑپ کر جانے والوں کا، معاشرتی برائیوں اور رذائل اخلاق کے مرتکبین کا، عمّال و اربابِ اختیار کا، عہدہ طلبوں کا (خاص طور پر ان کا جو عہدہ طلبی کے لیے سازشیں کرتے ہیں، الیکشن لڑنے کے لیے انوسٹمنٹ کرتے ہیں اور ان کی نظریں قومی دولت لوٹنے کی تمنا میں پھٹی پڑتی ہیں) اور حضور اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق ہر شخص کہ وہ کسی نہ کسی حیثیت میں حاکم اور نگران ہوتا ہے، احتساب ضروری ہے۔ اس میں تاثرات و تعصبات کو زیرِ نظر نہیں رکھا جاتا، اس میں اعزہ و احباب کے لیے کوئی رعایت نہیں، حتیٰ کہ احتساب کرنے والا خود اپنے آپ سے بھی کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بنو مخزوم کی ایک خاندانی عورت نے چوری کی۔ حضرت اسامہ بن زید ؓ (جن سے حضور ﷺ بہت محبت فرماتے تھے) نے اس خاتون کی سفارش بھی کی لیکن حضور ﷺ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تم سے پہلے لوگ انھی کرتوتوں کے باعث تباہ ہوتے تھے، جب کوئی بڑا خاندانی آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی بے وسیلہ شخص ایسا کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ (فرمایا) خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے، تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں'' ---[۲۷]

سواد بن عزیہ انصاری ؓ کو بدر کی صف بندی کے دوران میں حضور ﷺ کی چھڑی لگی، انھوں نے بدلے کا مطالبہ کیا، تو حضور ﷺ نے فوراً بدلے کی خاطر اپنے آپ کو پیش کر دیا۔[۲۸]

جس دینِ کامل میں اس دین کو لانے والے (ﷺ) خود کو احتساب کے لیے پیش کرتے ہوں، اپنی بیٹی تک کے بارے میں کسی رو رعایت کی بات گوارا نہ فرمائیں، اس میں احتساب سے کون

بچے گا؟ ہمیں اس دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی جواب دہی کے احساس کو زندہ رکھ کر زندگی گزارنی ہوگی۔

حواشی / تعلیقات

۱..... بندوں کے مرتب کردہ ہر آئین اور خالقِ کائنات کے نازل کردہ دین میں ایک اور بنیادی فرق یہ ہے کہ دنیا کے آئینوں کے تحت قانون بنتے ہیں اور ان قوانین میں سے کسی کی خلاف ورزی پر تعزیری ضابطے حرکت میں آتے ہیں، لیکن اسلام میں ''نہی عن المنکر '' پر سزا کے ساتھ ''امر بالمعروف '' کی جزا کا اہتمام بھی موجود ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ضابطوں کی خلاف ورزی پر سزائیں مقرر ہیں، تو اس کے حکم پر چلنے والوں کے لیے اعزاز و اکرام کی صورتیں بھی موجود ہیں۔ ایک طرف دوزخ ہے، تو دوسری طرف جنت۔ جزا و سزا، دونوں کا اہتمام صرف رب العالمین کے بنائے ہوئے آئین کی خصوصیت ہے۔

۲..... البقرہ:۲۰۸

۳..... صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة و الادب، باب الوصیة بالجار، حدیث ۳،۲

۴..... صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب ۱۱۳۵، حدیث ۲۰۰۹

۵..... جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب ۲۷، ما جاء فی الریاء و السمعة، حدیث ۲۶۵

۶..... ایضاً، حدیث ۲۶۶

۷..... صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۱۲۸۲، من لم یبال من حیث کسب المال ، حدیث ۱۹۲۲/ باب ۱۲۹۸، حدیث ۱۹۴۳

۸..... سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب الحث علی المکاسب، حدیث ۲۹۲

۹..... سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب ۶۴، فی کراھیة الرشوة، حدیث ۱۸۴

۱۰..... التکاثر:۳/ التوبہ:۳۴/ آل عمران:۱۷۹

۱۱..... ریاض الصالحین، باب فی النھی عن البخل، پہلی حدیث

۱۲..... الانعام:۱۴۱/ الاعراف:۳۱

۱۳..... صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۱۲۹۹، آکل الربا و شاھدہ و کاتبہ، حدیث ۱۹۴۳

۱۴..... سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب ۲۶، فی اکل الربا و موکلہ، حدیث ۱۹۳۸

۱۵..... ایضاً، باب ۲۶۵، فی التشدید فی الدین، حدیث ۱۵۲۷، ۱۵۲۸

۱۶..... صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب النھی عن المسئلة، حدیث ۲،۱/ مؤطا امام مالک، کتاب السلام، باب ماجاء فی التعفف عن المسئلة، حدیث ۱۸۳۵، ۱۸۳۷

۱۷..... سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، حدیث ۲۹۳/ مؤطا امام محمد، باب الاستعفاف عن المسئلة و الصدقة، حدیث ۸۹۵

۱۸..... صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب تعلیم الفرائض، حدیث ۱۶۳۰

۱۹..... مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الکبائر، علامات النفاق، حدیث ۴۵

۲۰..... صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ۶۲۵، حدیث ۱۰۲۷/ مؤطا امام مالک، کتاب السلام، باب ما جاء فی الصدق و الکذب ، حدیث ۱۸۱۳/ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة و الادب، باب قبح الکذب و حسن الصدق و فضلہ، پہلی حدیث/ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ۵۰۲، التشدید فی الکذب، حدیث ۱۵۵۳

۲۱..... مؤطا امام مالک، کتاب السلام، باب ماجاء فی الصدق و الکذب، حدیث ۱۸۱۶

۲۲..... صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب ۱۱۳۹، من لم یسئل الامارۃ اعانہ اللہ ، حدیث ۲۰۱۷/ صحیح مسلم، کتاب الامارات، باب النھی عن طلب الامارۃ و الحرص علیھا، پہلی حدیث/ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب ماء فی طلب الامارۃ، حدیث ۱۱۵۵

۲۳..... سنن ابی داؤد، ایضاً، حدیث ۱۱۵۶

۲۴..... صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة و الادب ، باب تحریم ظلم المسلم و خذلہ، پہلی حدیث/ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة، حدیث ۱۴۵۳

۲۵..... جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی تحریم الدماء و الاموال، حدیث ۳۱

۲۶..... صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، حدیث ۱۵۲۹

۲۷..... صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف و غیرہ النھی عن الشفاعة فی الحدود ، پہلی اور دوسری حدیث/ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الحدود، باب الشفاعة فی الحدود، حدیث ۳۳۴۷

۲۸..... ابن اثیر، ابی الحسن علی جزری، اسد الغابة فی معرفة الصحابة ، سیدنا سواد بن غزیہ انصاری ؓ کا تذکرہ

✿✿✿✿✿
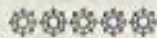
اسلامی نظام کا نفاذ: خواب یا حقیقت

جن لوگوں نے ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے غلغلوں اور تحریک پاکستان کے ولولوں کو دیکھا ہے وہ کما حقہٗ جانتے ہیں کہ پاکستان کا حصول محض اسلام کی خاطر ممکن ہوا۔ پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ بتایا جاتا تھا اور یہی مقصد تھا' یہی نصب العین تھا جس کی خاطر مسلمانوں نے بیش بہا قربانیاں دیں۔ اپنی جان و مال و آبرو کو اس عظیم مقصد کے لیے قربان گاہ پر چڑھا دیا۔ بچے کٹائے' گھر بار چھوڑا' مہاجر ہوئے' بے گھر اور بے در ہوئے لیکن خطۂ پاک پر آنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھا جس میں دستور اسلامی کا نفاذ ممکن تھا اور جس میں حاکمیت صرف خداوند لم یزال کی ہوتی۔ جن علاقوں کو پاکستان میں شامل ہونا تھا' یا جن کے متعلق یہ گمان ہو سکتا تھا کہ یہ مجوزہ پاکستان میں شامل ہوں گے' ان میں رہنے والوں کی بات تو آسانی سے سمجھ میں آ سکتی تھی۔ لیکن جب ہم یہ خیال کو ان دور دراز کے علاقوں تک پہنچائیں جن کو پاکستان میں شامل ہونے کا گمان تک نہ تھا تو بات واضح ہوتی ہے کہ یہ قربانیاں اپنے ذاتی یا گروہی مفاد کی خاطر ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔ یہ سب کچھ محض اس لیے تھا کہ برصغیر میں اسلامی نظام کے نفاذ و احیا کے لیے ایک خطۂ وجود میں آ جائے۔ یہ خطۂ ملک حاصل کرنا بھی مقصود اصلی نہیں تھا۔ مقصد کے حصول کی طرف ایک قدم تھا' دنیا پر یہ ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ اسلام ہر زمانے کی رہنمائی کی اہلیت رکھتا ہے۔ یہ کامل و اکمل دین جب زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو جائے تو مملکت ایک مثالی مملکت بن جاتی ہے۔ پاکستان کو اسلامی نظام کی برکات کے باعث دنیا بھر کے لیے بے مثال و بے نظیر بنانا مطلوب تھا۔ لیکن ہوا کیا؟ پاکستان کے قیام کو ربع صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے' لیکن ہم نے کبھی عملی طور پر پاکستان کی اساس و بنیاد کو زندگی کے کسی شعبے میں درخور اعتنا نہ سمجھا۔ ہم نے ضرورت کے ہر موقع پر اسلام کا نام نعرے کے طور پر استعمال ضرور کیا مگر اس کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں پر نافذ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا۔

سیاست ہی کو دیکھیں' سیاست دان علم دین سے عموماً بیگانہ اور تصور حاکمیت اعلیٰ سے بے

بہرہ ہیں۔ پاکستان کا قیام اس نعرے کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا کہ یہاں پر حاکم اعلیٰ خداوند لم یزل ہو گا اور ہمارے آقا و مولیٰ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور ان کے ارشادات کے مطابق قانون سازی ہو گی۔ قانون ہمیں مغربی سیاست کی دریوزہ گری سے حاصل نہیں کرنے ہیں بلکہ پاکستان کی سیاست تمامتر سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قول و فعل کی روشنی میں چلے گی۔ لیکن عمل کے لحاظ سے دیکھیں تو ہمارے سیاست دانوں نے اقتدار کے حصول کی خاطر جدوجہد میں' اقتدار حاصل کرنے کے بعد مملکت کے انصرام میں اور اقتدار سے محروم ہو کر حزب اختلاف کے طور پر اپنا کردار ادا کرتے ہوئے دینی افکار و ہدایات اور اخلاقی پابندیوں سے بے بہرہ ہونا' بلکہ ان کا دشمن ہونا ثابت کر دیا ہے۔ ان میں زیادہ تر حضرات مغربی تعلیم اور مغربی طرز حکومت و سیاست کی پیداوار ہیں' اور دین کی پابندیوں کو اپنی زندگی کے حصہ پر گوارا ہی نہیں کر سکتے۔ باقی رہے وہ حضرات جو سیاست سے بھی متعلق ہیں اور دین سے بھی یعنی علماء کرام یا اسلام کے دوسرے نام لیوا جو وعدوں کے لحاظ سے اسلامی نظام کے احیا و نفاذ اور دینی و اخلاقی اقدار اور نظریات کے فروغ کے حامی اور داعی ہیں' ان میں سے بھی ہر گروہ' پارٹی اور جماعت اپنی انفرادیت کے لیے سرگرم عمل ہے' بلکہ ہر شخص ایک ایک گروہ اور جماعت ہے اور اپنے اقتدار کا خواہاں۔ دین کے نفاذ و فروغ کا نعرہ کہیں تو محض دھوکہ اور فراڈ ہے' کہیں اقتدار کو سامنے دیکھتے ہوئے اسلام کو ثانوی حیثیت دے دی جاتی ہے' یا پھر طریق کار میں اتنی خامیاں ہیں کہ آخری نقصان اسلام ہی کا ہوتا ہے۔

تعلیم کے شعبے پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعبہ بھی دین سے بیگانۂ محض ہے۔ اول تو ہماری تعلیم کا مقصد ہی ابھی تک متعین نہیں کیا جا سکا کہ ہم اپنے بچوں کو پڑھا کر کیا بنانا چاہتے ہیں۔ دوسرے اس سلسلے میں تمامتر رہنمائی مغربی ممالک کے افکار و نظریات سے حاصل کی جاتی ہے اور اس بات کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے کہ دینیات پڑھا کر بھی طلبہ و طالبات دین سے کماحقہٗ واقفیت حاصل نہ کر پائیں۔ ان کو تحریک پاکستان کی جدوجہد سے خاص طور پر بیگانہ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی طرح اس شعبے پر بھی بعض ایسے حضرات کو مسلط کر دیا گیا ہے اور کیا جاتا رہا ہے جو دین سے دشمنی اور بغض رکھتے ہیں' پاکستان کو غیر اسلامی

اور غیر ملکی نظریات کی نذر کر کے جہنم زار بنا دینا چاہتے ہیں اور اخلاقی بندھنوں کو ترقی کی راہ میں سنگِ گراں قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کے حضرات جہاں بھی ہیں، دینِ اخلاق اور تحریکِ پاکستان کے خلاف ژاژ خائی کرنا اپنے مقاصدِ مذمومہ کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ اور طلبہ و طالبات اور عام لوگوں میں نیکیوں کے خلاف نفرت پھیلانا اپنا پرم دھرم خیال کرتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر نوجوان پود عملاً اسلام شعارِ اسلام عقائد اور اخلاقی اقدار سے دُور ہوتی جا رہی ہے۔

پاکستانی معیشت کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ یا تو یہاں سرمایہ دارانہ طرزِ معیشت نافذ کی جاتی رہی، غریبوں اور عوام الناس کا خون چوسا جاتا رہا۔ یا سوشلزم اور کمیونزم کی باتیں کی جاتی ہیں، دین سے نفرت اور بغاوت جن کی بنیاد ہے۔ آزادیٔ اظہار جن میں ایک خواب ہو کر رہ جاتی ہے اور زندگی ڈھور ڈنگروں سے بدتر۔ بہرحال دین کے معاشی ڈھانچے سے استفادہ کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی جس میں رُوح کی بالیدگی، زندگی کی تمام ضرورتوں کی دستیابی، آزادیٔ تقریر و تحریر اور خوشحالی کی ضمانت ہوتی ہے۔ امیر اور غریب طبقوں میں فرق کو دُور کر کے امیروں کو نیچے اور غریبوں کو اوپر لایا جاتا ہے۔ اور یوں معاشرے میں بڑی حد تک مساوات کا عمل دخل ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اسلامی معیشت کے نام لیوا ہیں، وہ عام آدمی تک مؤثر اور دلنشیں پیرائے میں اپنی دعوت نہیں پہنچا سکتے۔ نتیجے کے طور پر لوگوں میں غلط طور پر یہ تاثر زور پکڑتا جا رہا ہے کہ دین کا کوئی مثبت معاشی پروگرام ہی نہیں ہے۔

ہماری معاشرت، بداخلاقی، بے حیائی اور بے مروّتی سے عبارت معلوم ہوتی ہے۔ اسلامی اُخوّت کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ اخلاق، حیا اور شرافت سر چھپائے پھرتی ہے۔ بے حیائی، عریانی اور برہنگی سر بازار ناچتی پھرتی ہے۔ شراب، قمار بازی اور دوسری فواحش روزمرّہ کا درجہ اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ معاشرتی برائیاں امیر طبقے میں اچھائیاں سمجھی جانے لگی ہیں اور غریب بھی ان کی حتی المقدور تقلید کو باعثِ عزت خیال کرتے ہیں۔ بیوی، بہن، ماں کے مقدس رشتے تقدیس سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔ جرائم عام ہو رہے ہیں۔ زنا، قتل، اغوا کے کیسوں کے تواتر سے اخبارات سنسنی خیزیت اور فحاشی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ پاکستان میں دین کے نام لیوا اپنے فرائض سے بیگانہ ہیں۔ علماء کرام ہفتے میں ایک دن خطبہ دے کر یا معقول معاوضے پر جلسوں میں شرکت کر کے تقریریں کرنے کو ''دعوت و تذکیر''

کا نام دیتے ہیں۔ دین کے نام پر بیسیوں بلکہ سیکڑوں جماعتیں بنی ہوئی ہیں جو مثبت طور پر دین کے احیا و نفاذ کی خاطر کام کرنے کے بجائے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوتی ہیں۔ دین کے دشمن دن رات دین کے خلاف مصروفِ کار ہیں اور دین کے ''محافظین'' دین دشمنوں سے لڑنے کے بجائے آپس میں ''محبّت'' فرما رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ پاکستان کو عملی طور پر ''پاکستان'' بنانے کے لیے کیا ہو رہا ہے؟ جواب جتنی لمبی تقریر میں دیا جائے، نتیجہ یقیناً صفر ہی نکلے گا۔

خدارا صورتِ حالات کی نزاکت کا احساس کیجیے، اور پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی خاطر تحریک چلائیے۔ اپنی ''لیڈری'' کو بھی دوام بخشنے کے لیے بھی تو تحریکیں چلتی ہیں۔ اس مقصدِ عظیم کی خاطر زندگی کے ہر شعبے میں بیداری پیدا کیجیے۔ خود بیدار ہوئیے اور دوسروں کو خوابِ غفلت سے جگائیے۔ ملک کی بنیاد اسلام پر ہے، یہ اساس قائم رہے گی تو ملک قائم رہے گا۔ ملک رہے گا تو آپ بھی رہیں گے، اس لیے اسلام کی خاطر قربانیاں دینے کا جذبہ پیدا کیجیے، اپنے اندر بھی اور دوسروں میں بھی۔ خالی خولی باتوں سے کچھ نہیں ہو گا اور آپ عند اللہ اور عند الناس جواب دہ ہوں گے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۵)

❁❁❁❁❁

نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ

کیوں اور کیسے؟

پاکستان کا قیام دوقومی نظریے کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا۔ مقصد یہ بتانا اور ثابت کر دکھانا تھا کہ مسلمان ہندوؤں سے الگ قوم ہیں۔ ان کا دین کامل و اکمل ہے۔ ان کی تہذیب و ثقافت کی جڑیں اسلامی نظریات و عقائد میں پیوست ہیں' ان کا لباس الگ ہے' ان کا طریق معاشرت مختلف ہے' ان کی سوچ منفرد ہے۔ تحریک پاکستان میں "پاکستان کا مطلب کیا... لا الٰہ الا اللہ" "مسلمان عوام و خواص کا نعرہ تھا اور تحریک کے قائدین لوگوں سے یہی وعدہ کرتے رہے کہ پاکستان کا خطۂ صرف دین کی حکمرانی کے لیے حاصل کیا جا رہا ہے اور یہ دنیا کے لیے ایک مثالی مملکت بن جائے گی۔ اسلام کو ملی و قومی زندگی کے ہر دائرے میں نافذ کیا جائے گا اور تمام قانون سازی کی بنیاد قرآن و سنت پر ہوگی۔

عامۃ الناس مخلصانہ طور پر اسلامی نظام کے نفاذ کی خاطر مسلمانوں کے لیے علیحدہ مملکت حاصل کرنے کی حمایت کرتے تھے اور اس سلسلے میں انھوں نے اتنی قربانیاں دیں' صعوبتیں کھیں اور مشکلات برداشت کیں کہ ان کے تصوّر سے روح تھرا اٹھتی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عوام بیچارے ہر دل خوش کن نعرے کے پیچھے دوڑ پڑنے کے عادی ہوتے ہیں اور پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا نعرہ تو مخلص مسلمانوں اور دینداروں کے لیے بے انتہا خوش آئند تھا۔ چنانچہ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ عام مسلمان تو اس نعرے کی معنویت تک مخلص تھے اور اسی لیے انھوں نے جان و مال و آبرو کی قربانیاں دینا گوارا کیں۔ مگر رہنمایانِ کرام میں اس نعرے' اس وعدے' اس دعوے اور اس عہد کے ساتھ مخلصین کی تعداد کم سے کم تھی۔ وہ سیاستیں' جو دو قومی نظریے ہی کے مخالف تھے اور ملّت کو وطن سے مشتق سمجھتے تھے' ان کا تو یہاں ذکر ہی نہیں ہے۔ وہ تو مسلمانوں کے قومی تشخص اور ملی تشخص ہی کے قائل نہ تھے' وہ تو ہندوؤں کے ساتھ برادرانہ تعلّقات کے حامی تھے' انھیں ملّت کا حصہ قرار دیتے تھے مگر جن علماء کرام نے علیحدہ

اسلامی مملکت کے حصول کی جدوجہد میں حصہ لیا' اسلام کے احیاء و نفاذ کے اعلیٰ نصب العین کی خاطر رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں بیدار کیا' انھوں نے بھی قیام پاکستان کے بعد وقت کی نزاکتوں کو ملحوظ خاطر نہ رکھا اور ایک عظیم مقصد کے لیے معرض وجود میں آنے والے ملک کو صحیح خطوط پر چلانے کی خاطر عوام و خواص کی رہنمائی کا اہم فریضہ انجام دینے میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے۔ وہ خطۂ ارض کے حصول کے بعد اپنی تدریسی اور علمی سرگرمیوں میں محو ہو گئے' اور انگریزوں کے زلّہ خواروں' دین بیزاروں' دین دشمنوں او تعیشات کے دلدادہ لوگوں کے مقاصد مشئومہ کی راہ میں سنگِ گراں بننے کی کوئی مؤثر کوشش نہ کر سکے۔ ہمارے لائق تکریم علماء و مشائخ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے حق کی آواز کو بلند کرنے کی روایت کسی نہ کسی حد تک جاری رکھی۔ مگر ہم با ادب عرض کریں گے کہ انھوں نے اس روایت کو توانائی نہیں بخشی۔ اسے اپنی زندگیوں پر نافذ نہیں کیا۔ وہ مسجد و محراب سے نکل کر بازاروں اور گلیوں میں دستورِ اسلامی کی تحریک چلاتے' قید و بند کی صعوبتیں سہتے' گولیاں کھاتے مگر اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے خطۂ زمین پر اسلامی نظام نافذ کرائے بغیر دم نہ لیتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے کو شدّت سے اٹھایا نہیں گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ کے معدودے چند رہنما یکے بعد دیگرے داعیٔ اجل کو لبیک کہتے گئے یا غیر مؤثر صورت میں زندہ رہے' اور غیر مخلصین کی کثیر تعداد ملک پر مسلط ہو گئی۔ اس کے باوجود ۱۹۵۶ء میں آئین جو ملک و قوم کو دیا گیا' کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ وہ اسلامی آئین کی تمام تر خوبیوں سے متّصف نہ تھا مگر اس منزل کے رہروؤں کے لیے سنگِ میل ثابت ہو سکتا تھا۔ اس قدرے گوارا آئین کو بھی چلنے نہ دیا گیا اور سکندر مرزا نے اس آئین کو منسوخ کر کے ملک کو مارشل لا کی نذر کر دیا' اس مارشل لا کی کوکھ سے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے گیارہ سالہ دورِ استبداد نے جنم لیا اور ایوب صاحب نے ۱۹۶۲ء میں "فردِ واحد کا آئین" دیا' جس میں بقول چودھری محمد علی' ایوب صاحب یوں دکھائی دیتے تھے جیسے لائلپور میں گھنٹہ گھر۔ یہ نیا آئین ۱۹۵۶ء کی خوبیوں سے محروم تھا' اور شخصی آمریت کے نفاذ کی سمت ایک مؤثر قدم۔ ایوب صاحب عوامی بیداری اور عوامی تحریک سے مجبور ہو کر اقتدار چھوڑ گئے۔ مگر جاتے جاتے ملک کو ایک اور مارشل لا کے حوالے کر گئے اور یحییٰ خان کی خرمستیوں کو شہنشاہیت کا تاج پہنا دیا' پھر

ملک بوجوہ دو ٹکڑے کیا گیا۔ پاکستان کو دنیا بھر کی نگاہوں میں رسوا اور ذلیل اور قوم کو سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے لاکھوں معصوم اور بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ پاکستان کے بہترین بہادر، شجیع اور جواں مرد فوجی بھارت جیسے ذلیل اور ''بے عہد'' ملک کی قید کی کھٹناؤں کی نذر ہو گئے۔ پھر عوامی نمائندوں نے ملک کو جو آئین دیا ہے وہ بھی ۱۹۶۲ء کے آئین کی طرح اپنے تمام ''اسلامی'' مندرجات کے باوجود غیر اسلامی حرکتوں کو وجود میں آنے سے روک نہیں سکا۔ شراب اس میں چلتی ہے، سُود کا کاروبار جاری وساری ہے۔ قمار بازی، حرامکاری اور دیگر تمام فواحش بدستور جاری ہیں۔

ہمارے ملک میں خوش اعتقادی کا رواج بہت ہے۔ ہر آدمی سے امیدیں باندھ لیتے ہیں۔ ہم بہت فیاض واقع ہوئے ہیں۔ ذرا سے خوبصورت الفاظ، دل خوش کن ترکیبیں اور دلآویز نعرے ہمیں اپنے ساتھ بہالے جانے کی قدرت رکھتے ہیں، ورنہ حقیقت پسندی سے کام لیا جائے تو بہانگ دہل کہنا پڑے گا کہ جس مقصد کی خاطر ہم نے ملک حاصل کیا تھا، اس کے بروئے کار لانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جس نصب العین کے لیے تقسیم برصغیر کے وقت قربانیاں دی گئی تھیں اس کے حصول کی بات فی الوقت بامعنی نہیں۔

اسلامی آئین کے نفاذ اور اللہ کی حاکمیت کی بحالی کے سلسلے میں علماء کرام کے کمزور کردار کے بارے میں ہم گزارش کر چکے ہیں۔ اگر علماء کرام تدریس وتبلیغ کی محدود سرگرمیوں سے بڑھ کر کوشش کرتے تو نتائج یقیناً بہت مختلف ہوتے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ غیر اسلامی وغیر ملکی نظریات وعقائد کے مُبلّغوں نے اسلام، شعائر اسلام اور علماء حق کے خلاف ہذیان گوئی سے ان کی حیثیت کو مجروح کرنے کی انتہائی کوششیں کی ہیں۔ سیاست کو وہ گھناؤنا کاروبار بنا دیا گیا ہے جس میں کسی شریف آدمی کے داخلے کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اخلاق وکردار کی جہت سے انسانوں کو اتنا کمزور بنا دیا گیا ہے کہ کسی صاحب علم، صاحب غیرت وحمیت اور صاحب عزت کی عزت وناموس محفوظ نہیں رہی۔ چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ موجودہ صورت حال کی تمام تر ذمے داری علماء کرام ہی پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تصور کی راہ میں رکاوٹ بننے والا سب سے بڑا گروہ الحاد ودہریت کے حامیوں کا ہے، جو دین کے سب سے بڑے دشمن ہیں، اخلاق کو فضول سمجھتے ہیں۔ جھوٹ اور

تمام اخلاقی برائیوں کو مقاصد کے حصول کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں اور ہر شعبۂ زندگی میں گھس کر قوم سے اخلاق ودینی اقدار کا خاتمہ کرنے کے لیے شب وروز مصروف کار ہیں۔

سیاست میں جو لوگ غیر اسلامی نظریات کے علمبردار ہیں، ان سے قطع نظر بھی جو سیاستدان ہیں، وہ مجموعی طور پر اچھے اخلاق وکردار کے حامل نہیں۔ ان کی ذاتی زندگیاں اسلام کے قریب نہیں ہیں۔ وہ فواحش اور فسق وفجور کا شکار ہیں، ان میں زیادہ تر لوگ اونچے امیر طبقے سے ہیں جو سرمایہ دارانہ طریق زندگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور اسلام کو اپنے تعیشات کی راہ کا کانٹا سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ بھی اسلامی نظام کے حق میں کوئی آواز نہیں اٹھاتے۔ سیاسی ضرورتوں کے تحت اسلام کا نام لینے سے انھیں کوئی عار نہیں مگر اسے زندگیوں پر نافذ کرنے کے بارے میں سوچنا بھی انھیں گوارا نہیں۔

پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ مغربی تعلیم کی سحر کاریوں کے باعث مغربی سوچ تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ کسی ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ ہی تمام لوگوں کی رائے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہماری تعلیم ہمیں دین سے دُوری سکھاتی ہے۔ اس میں دین کا تصوّر کم سے کم ہے اور کم ہوتا ہوا معدوم ہو رہا ہے۔ تعلیم ہمیں سکھاتی ہے کہ دنیا بھر کی اچھائیاں، دنیا بھر کے علوم وفنون مغرب سے آئے ہیں، اسلامی تاریخ ان سے بے بہرہ اور تہی دامن ہے۔ اس تعلیم کے باعث پڑھے لکھے لوگ اسلام کو ''دقیانوسیت'' کا شاہکار سمجھنے لگے ہیں اور اپنی کم علمی اور بے علمی کی وجہ سے اسے عملاً بے کار خیال کرتے ہیں۔

رائے عامہ کی تعمیر میں سب سے بڑا حصہ ذرائع ابلاغ ادا کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کے ذرائع ابلاغ بکاؤ مال ہیں۔ جو چاہے انھیں خرید کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عامۃ الناس کی صحیح رہنمائی سے قاصر رہتے ہیں۔ اخبارات، ریڈیو، ٹیلیویژن، یک رُخی خبریں شائع کرتے ہیں۔ جانبدار اداریے اور کالم لکھتے ہیں اور حقائق سے بیگانہ رکھنے کے لیے عوام کو طرح طرح کے فریب دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ملک کے ذرائع ابلاغ پر یا تو ایسے لوگ مسلّط ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں اور غیر ملکی نظاموں کے علمبردار اور داعی ہیں۔ کچھ اخبارات ان لوگوں کے حیطۂ اختیار میں ہیں جو سرمایہ دار اور جاگیردار ہیں اور وہ اسلامی نظام کے تحت جینے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ کچھ اخبارات دوسرے ممالک

کے غاشیہ بردار ہیں۔ کچھ اخبارات ملکی سیاسی جماعتوں کے آرگن ہیں مگر ان میں ملک کا آرگن کوئی نہیں۔ اسلامی نظام کے داعیوں اور مبلغوں کو بھی اس کی توفیق نہیں ہو سکی کہ کوئی موثر اخبار نکال سکیں جو دستورِ اسلامی کے نفاذ کی تحریک کے سلسلے میں موثر کردار ادا کر سکتا ہو۔

سب سے بڑی خامی اسلام کے نام لیواؤں میں اتحاد کی کمی اور انتشار و افتراق کی فراوانی ہے۔ کفر ملتِ واحد ہے الحاد دین دشمنی کی ہر بات کے لیے تائیدی آواز اٹھاتا ہے لیکن ایسے لوگ جو اسلام کو ملک کے حاکمِ اصلی کی حیثیت دینے کے معاملے میں بظاہر مخلص بھی نظر آتے ہیں وہ بھی کسی دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کا تصور نہیں کر سکتے۔ اپنی شخصیت کو ابھارنا اور نکھارنا...... یہ ہے اصلی قومی مرض جس نے معاشرے میں بے انتہا برائیوں کو جنم دیا ہے۔ کسی دوسرے کو برداشت کرنا بہتر سے بہتر اور بلند تر نصب العین کے لیے بھی کوئی گوارا نہیں کرتا۔

اب رہ گئے عوام...... تو ان بیچاروں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ پاکستان کے قیام سے اب تک ان غریبوں کو "اسلام" کا نام لے لے کر دھوکے دیئے گئے' کہا گیا: پاکستان اسلام کے لیے لیا جا رہا ہے۔ جب کوئی آئین بنایا گیا' اس میں اسلام کا نام محرک کے طور پر ضرور استعمال کیا گیا۔ جب کہا گیا' یہی کہا گیا کہ قرآن و سنّت کے منافی قوانین نہیں بنیں گے۔ جب کسی نے کوئی آواز بلند کی' اسے اسلام کا نام لے کر دبا دیا گیا۔ اس مقصد کے لیے ہر حکومت کی طرف سے "مولویوں" کی خدمات بھی کرائے پر حاصل کی جاتی رہیں۔ ایک طرف غریب کو غریب تر کرتے رہنے کی کوششیں جاری ہیں' دوسری طرف ان کو امیر بنا دینے کے جھانسے دیئے جاتے رہے۔ معاشرے سے اخلاقی و روحانی اقدار کو ختم کر کے صرف حصولِ دولت ہی کو سب کچھ بنا دیا گیا۔ ان کے ساتھ ذرائع ابلاغ اپنی ریشہ دوانیوں میں اور سیاستدان اپنی چخت و پز میں مصروف رہے۔ عوام کو جو دھوکا دیا گیا' اسلام کے نام پر دیا گیا اور جب بھی ان کا کسی طرح استحصال کیا گیا' اسلام کے نعرے کو استعمال کر لیا گیا۔ عسرت' بیروزگاری' اشیائے صَرف کی ہوشربا گرانی نے اور اس حقیقت نے کہ موجودہ انحطاط پذیر معاشرے میں واحد قابلِ عزّت اور لائق تکریم چیز دولت ہے' عوام کو شدید احساسِ محرومی میں مبتلا کر دیا ہے۔ ملک سے درمیانہ طبقہ معدوم ہو گیا ہے اور امیر اور غریب دو طبقے ہی باقی رہ گئے ہیں۔ لوگوں کی ضرورتیں بڑھ گئی ہیں' اخراجات زیادہ ہوتے جا رہے ہیں اور آمدنی کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے میں ایک

طرف تو اسلامی نظام کے حامیوں نے غریبوں کی ضروریاتِ زندگی کے حصول اور ان کے معاشی' معاشرتی مسائل کے حل کو اسلام کی روشنی میں موثر اور عام فہم انداز میں سمجھا سکنے میں کوتاہی کی' دوسری طرف دین دشمن اپنے کام میں مصروف رہے اور بہت امیر اور بہت غریب دونوں طبقے ایک دولت کے نشے میں' دوسرا دولت کی خواہش میں اس جھگڑے سے غیر متعلق ہو گئے۔

مذکورہ بالا ملکی صورتِ حال میں مسجدوں میں خطباتِ جمعہ میں دستورِ اسلامی کی بات کرنا یا اپنے پیروؤں کو اس دھوکے میں مبتلا رکھنا کہ دین کی حاکمیت کے معاملے میں "سب اچھا ہے" اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ دستورِ اسلامی اس وقت نافذ ہو سکے گا جب اس نصب العین کے لیے قربانیاں دینے والا کوئی گروہ پیدا ہو گا۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے داعی باہمی اتحاد و یگانگت اختیار کریں گے' موثر اور دلنشین انداز میں عوام تک نیکی کا پیغام پہنچائیں اور پھیلائیں گے۔ ذرائع ابلاغ بھی دستورِ اسلامی کے حق میں آواز اٹھائیں گے اور تعلیم' سیاست وغیرہ کے شعبے تطہیر کے عمل میں آئیں گے۔ جب گلی کوچے اس نعرے سے گونجیں گے کہ اس ملک کو اسلامی نظام کی تمام تر برکات سے متمتع ہونے کا موقع دیا جائے...... یہ نہیں ہے تو صرف گفتگو ہی گفتگو ہے' باتیں ہی باتیں ہیں' نتیجہ کچھ نہیں۔

(مطبوعہ ماہنامہ "جامعہ" جامعہ محمدی شریف' جھنگ۔ نومبر ۱۹۷۵)

❁❁❁❁❁

نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے عسکری پہلو کا نمونہ

۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کو چاہِ بدر کے مقام پر حق و باطل کا جو معرکہ ہوا اسلام اور کفر کے درمیان جو لڑائی ہوئی' ظلم اور استیصالِ ظلم کی طاقتوں کے مابین جو نبرد آزمائی ہوئی' جنگ بدر کے نام سے موسوم ہے۔ کفارِ مکہ نے اپنے بے پناہ جور و استبداد کے نتیجے میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ان کے جاں نثاروں کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا تھا تو جہاں انھیں اس بات کا افسوس تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل نہیں کر سکے' وہاں اس امر پر اُن کے حوصلے دو چند ہو گئے تھے کہ آخر مسلمانوں کو اپنی جنم بھومی سے ہجرت پر مجبور ہونا پڑا۔

ہجرت کے اِن دونوں پہلوؤں کے پیشِ نظر وہ جہاں خدا کے رسول ﷺ کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لیے ان کا تعاقب کرنا چاہتے تھے' وہاں مکہ کے علاوہ پورے عرب سے مسلمانوں کو نکال باہر کرنے یا مٹا دینے کے منصوبے پر عمل میں تیزی دکھا رہے تھے۔ انھوں نے مدینہ اور اس کے آس پاس کے کمزور مسلمانوں کی فصلیں تباہ کیں' ان کے مویشی لے اڑے' ان کو لوٹا۔ مہاجرین کے گھروں کو نذرِ آتش کر دیا اور جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے' ان کی مدینے کی طرف ہجرت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر کے انھیں اپنے جور و استبداد کا ہدف بنایا۔

کفارِ مکہ میں عام طور پر اتحاد و فکر کا فقدان تھا۔ وہ صرف ایک ہی بات پر متفق تھے کہ دینِ اسلام کا قلع قمع کر دیا جائے جو بتوں کے بجائے ایک خدا کی پرستش سکھاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معاندانہ ارادوں سے بخوبی واقف تھے' اس لیے ان کی نقل و حرکت کی خبر رکھنے کے لیے جو چھوٹے چھوٹے دستے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر ادھر بھیجے' کفار نے ان کے بارے میں مشہور کیا کہ مسلمان ان کی ناکہ بندی کرنا چاہتے ہیں اور ان کے خلاف جنگ کرنے کے ارادے رکھتے ہیں۔ اس تاثر کو پھیلانے سے ان کا مقصد مسلمانوں کا مدینہ تک تعاقب کر کے انھیں کچل دینا تھا۔

ان حالات میں نخلہ کا واقعہ کفارِ مکہ کو مزید بھڑکانے کا موجب ہوا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بارہ افراد پر مشتمل ایک گروہ خبر رسانی کے لیے نخلہ بھیجا' جہاں اُن کی جھڑپ کافروں کے ایک جتھے سے ہو گئی' جس میں عمرو ابن حضرمی مارا گیا' دو قیدی اور کچھ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ہمارے آقا و مولا ﷺ اس واقعہ پر سخت ناراض ہوئے اور قیدیوں کی واپسی کے ساتھ قتل کے خوں بہا دینے کی پیش کش بھی کی مگر ہمہ کافر تو اس واقعے پر واقعی بہت برہم تھے اور معززین قریش کی اس توہین کا بدلہ لینا چاہتے تھے اور کچھ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے عزائم کے لیے اس واقعہ سے مہمیز کا کام لینا چاہتے تھے' چنانچہ مفاہمت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ پھر کفارِ مکہ کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے آ رہا تھا۔ کسی نے افواہ پھیلا دی کہ مسلمان اس قافلے کو لوٹنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ابوجہل اور دوسرے سردارانِ قریش کے بُغض نے ان واقعات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں پر فوج کشی کر دی اور ایک ہزار کے قریب مسلّح کافر نہتّے' کمزور اور قلیل اہلِ اسلام کو مٹا دینے کی اُمنگیں لے کر مکہ سے چل پڑے۔

۳۱۳ (میدان میں تو صرف ۳۰۵ ہی تھے۔ آٹھ صحابہؓ دیگر ذمہ داریاں نبھانے میں مصروف تھے) بے سروسامان لوگوں کا مقابلہ اپنے سے تین گنا بڑے لشکر سے تھا' جس میں ہر قسم کے ہتھیار تھے' سواریاں تھیں' سامان تھا' کمزوروں (جن میں کئی بے گھر تھے) کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے ارادے تھے' اپنے بازوؤں' آلاتِ حرب اور کثرت پر گھمنڈ تھا' ناز تھا۔ معرکے میں کثرت مغلوب ہو گئی' مظلوم فاتح بن گئے' بڑے بڑے سرفراز سرنگوں ہو گئے' نامور بے نام ہو گئے' زیرِ خاک سو گئے۔ وہ جو اپنے سوا کسی کو گردانتے ہی نہ تھے' نہ شجاعت میں' نہ بڑائی میں' نہ حسب نسب کے اعتبار سے' نہ وجاہت و شرافت کے لحاظ سے' طاقتور تھے کمزوروں سے دب گئے' مار کھا گئے اور صرف چند گھنٹوں کی لڑائی میں۔ اپنے مقابلے میں آنے والوں کو "چرواہے" کہہ کر ان کی تضحیک و توہین کرنے والوں کے وہ گیارہ سردار بھی واصلِ جہنم ہو گئے' جنھوں نے دارالندوہ میں حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ خالق و مالک نے اپنے محبوب پاک ﷺ کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں مصروف رہنے والے گیارہ "بڑوں" کو اس جنگ میں عبرتناک موت دی۔ محبوبِ ربُّ العالمین ﷺ کو

تکلیف پہنچانے کے خواہش مندوں میں حق و باطل کے اس معرکے کے نتیجے میں نہ ابوجہل نظر آیا' نہ عتبہ دکھائی دیا' نہ شیبہ زندہ رہا۔ ۷۰ افراد قتل ہوئے' اتنے ہی قیدی بنے۔ یوں اللہ کریم نے اپنے وعدوں کو پورا فرما دیا۔ حق غالب ہوا' باطل بھاگ گیا۔

اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ عزیز ترین رشتوں سے بھی زیادہ جب تک حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو اہمیت نہ دی جائے' آدمی مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت اصل ایمان ہے' روح دین ہے۔ خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی اور دین اسلام کی برتری اور حفاظت کے لیے اگر اپنی یا اپنے عزیزوں کے جان و مال کی قربانی بھی دینی پڑے تو اس میں پس و پیش کرنے والا ایماندار کہاں۔ جنگ بدر میں چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ افضل الخلائق بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے بیٹے عبدالرحمن کے مقابلے میں تھی' عمر اور رسول حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنے ماموں عاص بن ہشام کے خون میں رنگین تھے' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ اور بھائی کے سامنے تیغ بدست تھے اور کفار مکہ کے سالار عتبہ بن ربیعہ کا بیٹا حذیفہ اسلامی لشکر میں باپ کا مبارز تھا۔ آج کی دنیائے اسلام کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے نقوش پا روشن نشان ہیں' جو دشمنان اسلام معاندین دین متین اور مخالفین سرکار دو عالم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہے۔

جنگ بدر اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا جس میں صاحبان عزیمت نے غرور کو ہزیمت سے دوچار کر دیا۔ یہ جنگ اس پہلو سے بھی ناقابل فراموش ہے کہ اس میں ظلم کے خلاف مظلوموں کو فتح نصیب ہوئی۔ اسے اس اعتبار سے بھی دنیا اپنے حافظے میں محفوظ رکھے گی کہ اس سے اسلام کی سربلندی کا آغاز ہوا' دین کا حقیقی عروج شروع ہوا۔ قبائل اور افراد' جو مختلف وجوہ سے حق کی طرف مائل ہونے میں کمزوری دکھا رہے تھے' کھل کر سامنے آ گئے۔ بہت سے قبیلے اور منافق افراد جو مسلمانوں پر وار کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے' خوف کھانے لگے اور جو لوگ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کے متعلق مشکوک تھے' کثیر تعداد میں ایمان لے آئے۔

اس میں تو شک نہیں کہ قلت کو کثرت پر اس عظیم الشان فتح کی بنیاد تائید ایزدی تھی۔ اللہ

کی طرف سے فتح کا وعدہ ہو چکا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلی جنگ میں لڑائی کے جو اصول وضع فرمائے' جو عسکری مثال قائم کی' جس طرح اپنی فوج کی کمانداری کی' اسے تیار کیا' اس سے عالم انسانیت رہتی دنیا تک کسب فیض کرتا رہے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بارش تائید ایزدی کی ایک صورت تھی لیکن سپہ سالار اعظم ﷺ نے اپنی مٹھی بھر فوج کو ایسے مقام پر قیام کی ہدایت کی تھی جہاں سے ایک تو دشمن نشیب میں تھا' اس کو مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا' پھر سورج کی کرنیں کفار کے منہ پر پڑتی تھیں اور جنگ کے دوران میں ان کی آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ مسلمانوں نے پانی روک کر حوض بنا لیے اور کفار موسلا دھار بارش کی وجہ سے دلدل اور کیچڑ میں پھنس کر رہ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے دلوں میں اس حقیقت کو راسخ فرما دیا تھا کہ فتح و شکست قدرت کے ہاتھ میں ہے۔ اہل اسلام کو خدا کی ذات پر اور اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت پر مکمل بھروسا تھا۔ پھر سرکار نے لشکر کی روانگی تک کو راز میں رکھا' حفاظتی دستے متعین کیے' خبر رساں ٹولیاں مقرر کیں' لشکر کو غیر معروف راستوں اور پگڈنڈیوں سے بدر کی جانب بڑھایا' لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ اور خداوند قدوس پر پختہ ایمان ہونے کے باعث مسلمانوں میں حق کے لیے جان نچھاور کر دینے کی تڑپ موجود تھی۔ جوش اور ولولہ تھا' قربانیاں دینے کا جذبہ تھا۔ وہ انتہائی شجاعت و جانبازی سے لڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فخر کون و مکان نے فوج کے کم ہونے' ساتھیوں کے ناتجربہ کار ہونے اور ساز و سامان کے نہ ہونے کے باوجود نماز فجر ادا کرنے کے بعد جہاد کے موضوع پر خطبہ دیا' اللہ کی فتح کی نوید سنائی۔ میدان جنگ کا جائزہ لیا' صف بندی کی اور اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ تیاری کے تمام پہلوؤں پر بذات خود نظر رکھی۔ ایک جنگجو دستہ فوج سے پیچھے رکھا تاکہ دشمن کے کمزور پہلو پر موقع ملتے ہی کاری ضرب لگائی جا سکے۔ حضور ﷺ نے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لیا اور انھیں ہر لحاظ سے مکمل رکھا۔ دشمن کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے مختلف ٹولیاں ترتیب دیں' جو خبر رسانی کا کام کرتی رہیں' جنگ کے نقطۂ نظر سے اپنے لیے بہترین جگہ کا انتخاب کیا اور حالات نے ثابت کر دیا کہ صرف اس ایک فوجی برتری نے دشمن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ کافروں کے بہت آدمی پانی لینے آئے' مسلمان فوجیوں نے انھیں پکڑ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان پر کوئی سختی نہیں کی صرف باتوں باتوں میں یہ استفسار کیا کہ ان کے پڑاؤ میں ہر روز کتنے اونٹ ذبح ہوتے ہیں۔ اس سادہ سوال کے جواب میں آپ نے اندازہ فرمایا کہ دشمن کی فوج ایک ہزار افراد کے قریب ہے۔ خود انھوں نے مسلمانوں کو اس ترتیب سے ایسے مقام پر رکھا تھا کہ مخالفین آخر وقت تک مسلمانوں کی صحیح تعداد معلوم نہ کر سکے۔ جنگ کے نتیجے میں قریش کے بڑے بڑے سردار قتل ہو گئے۔ ۷۰-۷۲ آدمی قید ہوئے۔ حضور رحمت ہر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ قیدیوں کے آرام کا خیال رکھیں۔ چنانچہ یہ تک ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے خود کھجوروں پر گزارا کیا مگر قیدیوں کو کھانا کھلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر طے پایا کہ انھیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ جن کے پاس فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں تھی انھیں حکم دیا گیا کہ دس دس مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں، انھیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس حُسن سلوک کے باعث نہ صرف قیدیوں میں سے بیشتر لوگ اسلام لے آئے بلکہ ان کی تبلیغ سے سینکڑوں افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(مطبوعہ ہفت روزہ "پاک جمہوریت" لاہور، ۱۲ تا ۱۸ ستمبر ۱۹۷۹ء)

❁❁❁❁❁

انسانی سیرت و کردار کی تعمیر و تہذیب

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ سرورِ کائنات فخرِ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کائنات انسانیت کے لیے جو آخری پیغام لائے وہ کامل و اکمل ہے اس میں کسی جہت سے کوئی خلا نہیں، کوئی کمزوری نہیں، کہیں اور سے امداد کی حاجت نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں کہ عبادت اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر کرنے کے بعد زندگی کے کسی اور پہلو میں کسی اور نظام سے دریوزہ گری کی حاجت ہو۔ اسلام مذہب نہیں، دین ہے۔ دین کامل ہے..... اس کا کوئی شعبۂ حیات دوسرے شعبوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا اس کا نظام عبادات صرف عبادات ہی سے متعلق نہیں، معاشرت سے، معیشت سے، حکومت سے اور زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے مربوط و منسلک ہے اور اسی طرح اسلام کی برکات سے درست طور پر متمتع ہوا جا سکتا ہے۔

عبادات میں غور کریں تو نماز جہاں انسان کو برائیوں سے بچاتی ہے، خدا سے ڈرنا سکھاتی ہے، نعمت کی تحدیث اور اس پر شکر ادا کرنے کا درس دیتی ہے وہاں اتحاد اور تنظیم پیدا کرتی ہے، مودّت و مروّت کو بڑھاتی ہے، مساوات کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ یہاں کوئی امیر نہیں، کوئی غریب نہیں، سب ایک ہی صف میں کھڑے ہیں، یہاں کوئی کسی سے نفرت نہیں کرتا، یہاں کالے اور گورے کی کوئی تمیز نہیں، ایک کالا بھجنگ شخص ایک حسین ترین انسان کے پہلو میں کھڑا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کی دعائیں کر رہے ہیں۔ ایک لنگڑا لولا یا مریض کسی تندرست کے کندھے سے کندھا ملائے ہے اور ان میں کوئی بُعد نہیں، ایک دوسرے سے احساسِ نفرت و حقارت نہیں۔

زکوٰۃ دلوں سے دنیاوی لالچ کو مٹاتی ہے، خدا کی راہ میں مال و دولت کی قربانی کی اہمیت سکھاتی ہے، مخلوق خدا سے محبت اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونا سکھاتی ہے۔ اس عبادت سے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ انسان جائز اور حلال ذرائع سے محنت و مشقت کے ذریعے جو کمائی کرتا ہے اس میں بھی خدا کے احکام کے مطابق غریبوں، ناداروں

اور مستحقین کے لیے حصّہ نکالنا ہے۔

اسی طرح روزے کی غرض و غایت تزکیۂ نفس ہے انسان اپنی نفسانی خواہشات دل پسند باتوں، دنیاوی لذتوں حتیٰ کہ بنیادی انسانی ضرورتوں کو خداوندِ کریم کی محبت اور اس کے حکم کے تحت چھوڑ دیتا ہے، حرام سے قطعی اجتناب کرتا ہے، خدا اور رسول ﷺ کے احکام کے پیشِ نظر اپنے عیش و آرام کو تج دینا کم اہم بات نہیں ہے۔

حرص و ہوا نے انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو برباد کر رکھا ہے، ہم دولت، آرام، عیش و راحت، ارذل خواہش مندی اور دنیاوی لذتوں کے حصول کی تگ و دو میں دیوانے ہوتے جا رہے ہیں۔ جب انسان فردی حیثیت سے اور قومیں اجتماعی طور پر حرص و ہوا کا شکار ہوتی ہیں تو دنیا میں افراتفری انتشار اور دشمنیاں جنم لیتی ہیں، جھگڑے اور فساد پھیلتے ہیں، انسان آپس میں اور قومیں ایک دوسرے کے ساتھ خلوص کے رشتے توڑ دیتی ہیں اور نفاق کے بیج، پھل پودے اگا دیتے ہیں۔ روزہ انسان کو انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں کے حرص و ہوا کے چنگل سے چھڑا لیتا ہے، خداوند قدوس کا ارشاد حرص و ہوا کے احساس تک کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ من حیث المجموع انسانیت ہی کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے اللہ کریم نے سب قوموں پر روزے فرض کیے، یہ کرم صرف امتِ مسلمہ ہی پر نہیں ہوا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

"مسلمانو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ....."

آدمی دنیاوی زندگی میں عیش و آرام کا طالب ہوتا ہے، ایسے میں جب بنیادی ضرورتوں کے بارے میں ایک نظم و ضبط کے ذریعے ایسی فضا قائم کر دی جائے کہ انھیں چھوڑتے ہوئے انسان خوشی محسوس کرے تو حرص و ہوا کی خواہش دلوں میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ رمضان المبارک میں صائم ہونے کی کیفیت میں بھوک اور پیاس ہمیں یقین دلاتی ہے کہ بھوکوں اور پیاسوں پر کیا گزرتی ہے، جن غریبوں اور ناداروں کو زندگی کی بنیادی ضرورتیں دستیاب نہیں ہوتیں ان پر جو کچھ بیتتی ہے، ہمیں اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ جب تک کسی تکلیف سے انسان خود نہ گزرے اس کی اہمیت کا احساس ممکن ہی نہیں۔ بھوک اور پیاس کی حالت ہمیں ان لوگوں کی ہمدردی پر اکساتی ہے، جنھیں پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ اس طرح معاشرے میں مل جل کر رہنے کی عادت پنپتی ہے، ہمدردی اور غم خواری کے

جذبات ابھرتے ہیں، مساوات و اخوت کی عمل داری ہوتی ہے۔

یہ تو صرف بھوک اور پیاس سے پیدا ہونے والے خیالات و احساسات کی بات تھی، اصل بات یہ ہے کہ روزہ صرف بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں ہے، حضور نورِ مجسم رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

"جس وقت تُو روزہ رکھے تو چاہیے کہ اپنی آنکھوں، کانوں، زبان، ہاتھوں اور بدن کے تمام اعضا کو بُرے اور حرام کاموں سے بچائے رکھے"....

ایک اور حدیث پاک میں ہے:

"کئی روزے دار ایسے ہیں جن کو بھوکا پیاسا رہنے کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا"

آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ بھوکا پیاسا رہنے سے بھی بہت کچھ حاصل ہوتا ہے لیکن حضور سرورِ کونین ﷺ کا فرمان ہے کہ صرف بھوکا پیاسا رہنا ہی سب کچھ نہیں ہے روزہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ اس کا اصل مقصد تقویٰ پیدا کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ تقویٰ کیا ہے؟ ایک بزرگ نے اس استفسار کے جواب میں فرمایا تھا کہ انسان کسی ایسی راہ سے گزر رہا ہو جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں تو انسان اپنے جسم کے علاوہ اپنے کپڑے بھی سنبھال کر، سمیٹ کر، بچ بچا کر گزرتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی آلائشوں اور تعیش سے جان بچا کر نکل جانے کو تقویٰ کہتے ہیں۔ روزے کا مقصدِ اول تقویٰ ہے، اس طرح انسان روزے کے ذریعے صرف بھوکا نہیں رہتا، بھوک پیاس سے پیدا ہونے والے بہتر خیالات ہی کو اپنے دل و دماغ میں مرتسم نہیں پاتا، معراجِ انسانیت حاصل کر لیتا ہے۔

روزہ، پیٹ اور منہ ہی کا نہیں ہوتا، زبان کا بھی ہوتا ہے کہ روزے دار جھوٹ، مکر، فریب، دغا، غیبت، بدزبانی، سخت کلامی کا مرتکب نہ ہو، کسی انسان کو زبان سے تکلیف نہ پہنچائے، غلط بات نہ کہے، بُرا بول نہ بولے۔ اسی طرح آنکھ کا بھی روزہ ہوتا ہے کہ آنکھ کسی غیر شرعی حرکت کا ارتکاب نہ کرے، نیکوں کی زیارت کرے، قرآن مجید کو دیکھے اور غیر محرم عورت کی طرف نظر نہ اٹھائے۔ پھر کانوں سے غیبت نہ سنے، بدگوئی کے سننے سے پرہیز کرے، خدا اور رسول ﷺ کی باتیں سنے، آدمی کے ہاتھ پاؤں کی بُرے کام کے لیے

حرکت نہ کریں' ہاتھ انھیں تو اللہ و رسول ﷺ کی خوشنودی کی خاطر' پاؤں چلیں تو ان کے احکام کے مطابق۔ دین کی راہ سے فرار کرنے والے پاؤں بھی روزے دار کے نہیں ہو سکتے اور غلط کام کے مرتکب ہاتھ بھی۔ ہاتھ مظلوم کی دستگیری کے لیے اٹھیں اور پاؤں ظلم کو روکنے کے لیے بڑھیں' بُرائی کے استیصال کی راہ پر چلیں اور دل و دماغ غلط فہمی اور غلط کاری کی طرف راغب نہ ہوں۔

روزے کی بنیاد خوشنودیٔ مولا ہے' انسان ضروریاتِ زندگی تک کو ایک معیّن عرصے کے لیے تج دیتا ہے' محض اپنے خالق و مالک کو خوش کرنے کے لیے' اس کے ارشاد کی تعمیل میں اور جس پر خدا راضی ہو جائے' اُسے زندگی کے کسی میدان میں پریشانی لاحق نہیں ہو سکتی۔ مسلمان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہو سکتی ہے کہ اس کا رب اس سے راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کا اجر دیتا ہوں"۔

اور ظاہر ہے کہ وہ بہتر اجر دینے والا ہے۔

روزے سے جسمانی نشوونما بہتر ہوتی ہے' کھانے پینے میں پابندیٔ اوقات پر سختی سے عمل ہوتا ہے' جس کے نہ ہونے سے بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ علماءِ طب نے اس موضوع پر خاصی تحقیق کی ہے کہ سال بھر میں ایک ماہ روزے رکھنے والا انسان کتنی بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ پھر اس سے اعمال میں صالحیت پیدا ہوتی ہے' فکر میں پاکیزگی جنم لیتی اور پروان چڑھتی ہے' نشوونما پاتی ہے۔ روزے سے حیاتِ انسانی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے' وقت پر سحری کھانا' وقت پر افطار کرنا' نہ اس سے چند منٹ پہلے' نہ بعد میں' وقت پر نماز پابندی سے ادا کرنا' دن بھر نفسانی خواہشات سے بیزار رہنا' صبح' شام' رات ہر وقت خواہش سے بچنا' یہ سب باتیں زندگی میں باقاعدگی کا عمل دخل کر دیتی ہیں۔

صائم انسان صبر اور حوصلہ مندی کا شاہکار بن جاتا ہے' روزہ صبر کی علامت ہے' روزے دار صابر و شاکر ہوتا ہے اور صبر اعلیٰ ترین خوبیوں میں سے ہے۔ زندگی میں صبر انسان کو مختلف منازل میں کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

قناعت پسندی نہ ہو تو حرص و ہوا جان نہیں چھوڑتی' انسانی خواہشات دن بدن بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ روزے سے معاشی اور معاشرتی زندگی میں عزم اور استقلال پیدا ہوتا ہے۔ ملکی اور قومی رسوم و رواج اور آداب و معمولاتِ زندگی کے بجائے الوہی قوانین و

ضوابط عملاً نافذ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کھانا' پینا' نفسانی خواہشات سے پرہیز جسم کے تمام قویٰ کے روزے سے پورے جسمِ انسانی کی تربیت۔

روزہ رکھنے سے خداوندِ قدوس و علیم کے عالم الغیب ہونے کا یقین ہو جاتا ہے' کیونکہ روزہ بندے اور خدا کے درمیان ایک راز کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب کوئی اور نہیں دیکھتا' صرف یہ احساس انسان کو بُرائیوں سے باز رکھتا ہے' نفسانی خواہشات پر عمل نہیں کرنے دیتا' کھانے پینے سے دن کے وقت نفرت دلاتا ہے' حرام چیزوں کے ذکر تک سے طبیعت میں تکدّر پیدا کرتا ہے کہ خدا علیم و خبیر ہے' ہمیں دیکھ رہا ہے' پھر انسان میں احساسِ بندگی شدت سے اُبھرتا ہے۔ روزہ ایسی کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ نیکی کرنے کو جی چاہتا ہے' بدی کی طرف راغب نہیں ہونے دیتا۔ یہ طرزِ فکر انسانی زندگی میں رچ بس سکتا ہے۔ یہی خدا اور رسول ﷺ کی خواہش ہے۔ روزہ ضروریاتِ زندگی کے پھیلاؤ کو کم کر دیتا ہے' ہر قسم کی مجنونانہ ہوس کو ختم کر دیتا ہے' قناعت سکھاتا ہے' ضبطِ نفس کی تعلیم دیتا ہے اور حضور سرورِ دو عالم ہادیٔ اعظم ﷺ نے نفس کے ساتھ جہاد کو سب سے بڑا جہاد قرار دیا ہے۔ نتیجۃً حرص اور لالچ کی بیماری افراد سے اور معاشرے سے ختم ہو جاتی ہے' بے حیائی کا کہیں عمل دخل نہیں رہتا' یومِ آخرت پر انسان کا ایمان پختہ ہو جاتا ہے' فرد یا ملت ہر دو حیثیتوں سے آدمی میں پابندیٔ وقت کی اہمیت ضروری ہے۔ عام معاشرے میں ہم اس طرح توجہ نہیں دیتے' اس لیے وقت کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ روزہ ہمیں اس کی اہمیت جتاتا ہے' موسم خراب ہو' نیند کا غلبہ ہو' طبیعت نہ چاہے' چند منٹ کی تاخیر کی خواہش ہو' یہ سب چھوڑنا ممکن ہے۔ ہر کام وقت پر کرنا پڑتا ہے' اس طرح آدمی کی زندگی متوازن ہو جاتی ہے۔ غرض جتنا بھی غور کریں' روزہ ذات کی حد تک' معاشرے کی حدود میں' قوم و ملت کے ذکر میں' دنیائے انسانیت کے حوالے سے خوبی ہی خوبی ہے۔ ہر قسم کی بُرائیوں اور خرابیوں سے محفوظ رکھتا ہے' تعمیرِ سیرت و کردار اس سے زیادہ کسی اور عمل سے ممکن نہیں۔ انسان کی شخصیت نکھر جاتی ہے' اس میں ہر اچھائی در آتی ہے اور وہ ہر لحاظ سے مثالی انسان بن جاتا ہے۔ یوں اگر ہم یہ فرض پورا کرتے ہیں تو صرف عبادت ہی نہیں کرتے' اپنی شخصیتوں کو سنوارتے ہیں اور معاشرے کو جلا بخشتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں توفیق دے کہ ہم احکامِ خداوندی کی حکمتوں سے آگاہی حاصل کریں اور ان پر دل و جان سے عمل کریں۔

(مطبوعہ ماہنامہ 'نور الحبیب' بصیر پور۔ نومبر دسمبر ۲۰۰۲)

☆☆☆☆☆

خوشحال معاشرے کی بنیاد

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور اس پر زکوٰۃ فرض ہوگئی پھر اس نے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے روز اس شخص کو اس مال کے ساتھ عذاب دیا جائے گا اور وہ مال اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔

درحقیقت اسلام کے معاشی نظام کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ دولت خواہ کسی شکل میں ہو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے۔ انسان کی ملکیت اللہ کی عطا سے ہے۔ اس لیے دولت پر انسان کا تصرف احکام خداوندی کے تابع ہونا چاہیے۔

اسلام مال کے ذرائع میں جائز و ناجائز کی حدود متعین کرتا ہے اور سختی سے ان حدود کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر ناجائز طریقوں پر خرچ کی روک تھام کرتا ہے۔ عیاشی، قمار بازی، شراب نوشی، بے جا اسراف اور قومی دولت کے ضیاع کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی Hoarding کی ممانعت کرتا ہے۔ بخل کو بہت برا گردانتا ہے۔ زکوٰۃ، عشر، نفلی کفاروں اور صدقات کے ذریعے گردش زر کا اہتمام کرتا ہے اور تقسیم دولت کے اس نہایت مؤثر نظام کی بدولت معاشی توازن کی صورتیں پیدا کرتا ہے۔ ایتائے زکوٰۃ کا ذکر خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر نماز کے ساتھ کیا ہے اور ہر صاحب نصاب مسلمان پر اسے فرض قرار دیا ہے۔

زیر نظر حدیث پاک میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے مرتکبین کو سخت وعید دی ہے کہ ایسوں کو انھی کے مال کے ساتھ عذاب دیا جائے گا اور وہی مال ان کی گردنوں میں طوق کی صورت میں ڈالا جائے گا۔

خداوند کریم وعظیم نے فرمایا: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" سرکار ﷺ کی بات خدا ہی کی بات ہوتی ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے: "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" (اور وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال عطا کیا اور وہ اس میں بخل برتتے ہیں اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ برا ہے اور قیامت کے دن وہی مال ان کے گلے کا طوق بنایا جائے گا)۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے اس آیت کے حوالے سے فرمایا: "من اتاه الله مالا فلم يؤد زكوته مثل له يوم القيامة شجاعا اقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيامة ثم ياخذ بلهزمتيه يعني شدقيه ثم يقول انا مالك انا كنزك" (فرمایا: جس شخص کو خدا تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کے مال کا ایک گنجا سانپ بنایا جائے گا جس کی آنکھوں میں دو سیاہ شعلے ہوں گے اور سانپ کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ پھر یہ سانپ اس شخص کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں اور تیرا خزانہ ہوں)۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابن مسعود نے بھی اسی قسم کی حدیث روایت کی ہے۔

قرآن پاک کی آیت اور احادیث پاک میں اس مال کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ اس میں اس تصور کی تغلیط کر دی گئی ہے کہ مال حرام ذرائع سے کمایا گیا ہو۔ اسلام فرد کو معاشی جدوجہد کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اس کی نجی ملکیت کو بھی تسلیم کرتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ کمائی کے ذرائع کے جائز اور حلال ہونے پر زور دیتا ہے اور حصول معاش کی آزادانہ سعی میں حلال و حرام کی حدیں متعین کرتا ہے۔ حرام اور ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت کا وہ جائز مالک نہیں ہے۔ اسلام میں ناجائز کمائی کا تصور ہی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص کسی طرح سے ناجائز اور حرام ذرائع سے دولت اکٹھی کر ہی لے تو اسلامی ریاست کو اختیار ہے کہ وہ اس کا محاسبہ کرے جیسا کہ مثلاً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔

جائز کمائی پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ان الله لم يفرض الزكوة الا ليطيب ما بقي من اموالكم" یعنی خداوند تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے۔

لیکن جو شخص عطائے خداوندی سے مال پائے مگر زکوۃ ادا نہ کرے اس کے لیے سخت وعیدیں ہیں۔ سورۃ توبہ میں ہے: "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝" (جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کو روز قیامت کے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں جس دن ان کے جمع کیے ہوئے کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان کے ماتھے اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، اب اپنے جمع کیے کا مزہ چکھو)۔ سورۃ التکاثر کا آغاز اس سے ہوا ہے: "تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر نے مستغرق کر رکھا ہے۔ قبر میں جانے تک تم اسی فکر میں منہمک رہتے ہو۔ جلد ہی تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا"۔

یعنی جو شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا، خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے میں کنجوسی برتتا ہے، اکتناز زر کا مرتکب ہوتا ہے، قیامت کے دن اس کا مال اس کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ یہ مال خوفناک سانپ بن کر اس کی باچھوں کو گرفت میں لے کر اسے بتائے گا کہ وہ کیا ہے۔ اس مال کو دوزخ کی آگ میں تپا کر اس کا ماتھا، پہلو اور اس کی پیٹھ اس سے داغے جائیں گے۔

اسلام کا گردش دولت اور تقسیم زر کا یہ نظام اس حقیقت پر منتج ہوتا ہے کہ اگر زکوۃ، عشر، مالی کفارہ، صدقات اور سخاوت کی مختلف صورتوں کے بعد بھی کسی شخص کے پاس اس کی حلال کمائی میں سے کچھ دولت بچ جاتی ہے تو وہ قانون وراثت کے تحت تقسیم ہو جاتی ہے۔ اسلامی اقتصادیات کی اساس ہی تقسیم دولت اور گردش زر پر ہے اور شرع متین کا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور ایک خوشحال معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے۔

کس نہ گردد در جہاں محتاج کس
نکتۂ شرع مبین این است و بس

❁❁❁❁❁
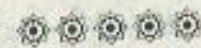
ناپ تول میں کمی اور ملاوٹ کرنے والوں کا انجام

(اصحاب الایکہ کا قصہ)

عربی میں "ایکہ" سرسبز و شاداب جھاڑیوں کو کہتے ہیں جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت کی وجہ سے جنگلوں میں اگی رہتی ہیں۔ چنانچہ گھنے اور گنجان درختوں کے جھنڈوں میں رہنے والے اصحاب الایکہ کہلائے۔

اصحاب الایکہ اور اہل مدین کے بارے میں مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ ایک ہی قوم ہے۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ سورۃ اعراف اور سورۃ ہود میں جو حالات اہل مدین کے بیان ہوئے ہیں وہی اصحاب الایکہ کے سورۃ الحجر، الشعراء، ص اور ق میں آئے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت و تذکیر کا انداز بھی دونوں کے لیے ایک سا ہے اور سرتابی، سرکشی اور نافرمانی کے انداز بھی یکساں ہیں اور دونوں کا انجام بھی ایک سا ہوا۔

مفسرین کا دوسرا گروہ انھیں اس لیے دو الگ قومیں تسلیم کرتا ہے کہ سورۃ اعراف میں حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین کا بھائی کہا گیا ہے لیکن اصحاب الایکہ کے ذکر میں کہیں ایسا نہیں کہا گیا۔ ان کا خیال ہے کہ مدین شہری اور متمدن اور اصحاب الایکہ دیہاتی اور بدوی قبیلہ تھا۔

بعض مفسرین نے دونوں اقوال کو یوں درست گردانا ہے کہ اصحاب الایکہ اور اصحاب مدین ایک ہی نسل کی دو شاخیں ہیں اگرچہ قبیلے الگ الگ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدیان کی نسبت سے ایک شاخ اہل مدین کہلائی ان کا صدر مقام مدین تھا۔ بنی قطوراء کا ایک گروہ وادی تبوک وغیرہ میں آباد ہوا اور اصحاب الایکہ کہلایا۔ یہ دونوں گروہ ایک ہی زبان بولتے تھے۔ ان کے علاقے بھی نزدیک نزدیک تھے اور ان کے کرتوت بھی ایک جیسے تھے۔ باپ کی نسبت والے اہل مدین اور زمین کی خصوصیات والے اصحاب الایکہ کہلائے۔ ان دونوں کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

اصحاب الایکہ اور اہل مدین بتوں کو پوجتے اور مشرکانہ عقائد رکھتے تھے۔ پھر ان کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ تجارت پیشہ تھے اور ناپ تول میں بے ایمانی سے کام لیتے تھے۔ نیز

معاملات کے کھرے نہ تھے اور لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کو اپنائے ہوئے تھے۔ تجارت میں دھوکا دہی کو کاروبار کا لازمی جز خیال کرتے تھے اور ثروت مندی اور مال و دولت کو نہ صرف ذاتی کوشش کا نتیجہ سمجھتے تھے بلکہ ناجائز ذرائع سے کمائی پر نادم ہونے کے بجائے اس پر افتخار و اعزاز کا اظہار کرتے تھے۔ ناپ تول میں کمی اور دھوکا دہی کے ذریعے کمائی ہوئی دولت کے زیر اثر طرح طرح کی بداخلاقیاں اور بے راہ رویاں ان کی زندگیوں میں راسخ ہو گئی تھیں۔

یہ لوگ یمن سے شام اور خلیج فارس سے مصر کی طرف جانے والی دو بڑی شاہراہوں پر آباد تھے اور قافلوں کو بھتہ لے کر انھیں گزرنے دیتے تھے۔ دوسری صورت میں انھیں لوٹ لیتے تھے۔

سورۃ الشعراء میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ میں تمھارے لیے رسول امین ہوں اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ ناپ تول پورا کیا کرو اور صحیح ترازو سے وزن کیا کرو تاکہ لوگوں کو چیزیں کم نہ جائیں اور تم زمین پر فساد کرنے والوں میں نہ ہو جاؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اس رب کریم سے ڈرو جس نے تمھیں بھی پیدا فرمایا اور تم سے پہلی مخلوق کو بھی۔ اس خطاب کا مقصد یہ تھا کہ پہلی قومیں اپنی نافرمانی کی وجہ سے برباد ہوئی تھیں تم ان کے سے انجام سے محفوظ رہنے کے لیے راہ راست پر آ جاؤ میری بات مانو اور اللہ سے ڈرو۔

قوم کے دونوں گروہ اہل مدین اور اصحاب الایکہ کفر میں راسخ تھے اور حرام کمائی سے ان کے شب و روز گزرتے تھے۔ جو سرمایہ دار اور ثروت مند لوگ جن کی دولت کی بنیاد ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی پر ہو جو خلق خدا کو لوٹنے کے لیے ان کی جیبوں پر بھی ڈاکے ڈالتے ہوں عامۃ الناس کی صحت و عافیت ان کی ترجیحات میں شامل ہونا تو کجا اسے نقصان پہنچانے کے لیے ان کی کارروائیاں روز افزوں ہوں وہ اپنی غلط روی کو کہاں چھوڑتے ہیں۔ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور تم ہماری مثل ایک بشر ہو۔ ہم تو تمھیں جھوٹوں میں سے ایک سمجھتے ہیں۔ اور اگر تم سچے ہو تو ہم جو تمھاری بات پر کان نہیں دھرتے آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دو۔ اس پر نبی اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو تم کر رہے ہو وہ میرے رب کے علم میں ہے۔

خالق و مالک جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تو انھیں چھتری والے دن کے عذاب نے آ لیا۔ بے شک وہ بڑے ہولناک دن کا عذاب تھا۔ چونکہ انھوں نے آسمانی عذاب مانگا تھا اس لیے خدائے قدوس نے ان پر ایک بادل یا غبار یا

دھواں بھیج دیا جو چھتری کی طرح ان پر اُس وقت تک چھایا رہا جب تک باران عذاب نے انھیں ہلاک نہ کر دیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے پہلی قوموں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ جس خالق نے تمھیں پیدا کیا تھا وہی سب کا خالق ہے اس نے پہلی قوموں کو کفر نافرمانی اور معاشرت میں فساد کے باعث [illegible] کی وجہ سے غضب کے لائق قرار دیا نیست و نابود کر دیا تو کیسے ممکن ہے کہ تمھارے معاشرے میں ایسا نہ ہو اور تمھیں تمھاری غارت گری پر معاف کر دیا جائے۔

بہت سی قومیں کفر شرک بت پرستی اور انبیاء کرام علیہم السلام سے استہزا کی وجہ سے عذاب الٰہی کا ہدف بنیں لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے دونوں گروہ خاص طور سے تجارت میں بے ایمانی اور لوٹ مار یعنی حقوق العباد غصب کرنے اور خلق خدا کو ضرر پہنچانے پر زیر عتاب آئے۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ پہلی قوموں کے حالات اس لیے بیان فرماتا ہے کہ ہم ان سے عبرت حاصل کریں اور ایسے کاموں سے بچیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں اور جن کی وجہ سے پہلی قومیں غارت کر دی گئیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے حالات اور ان کے انجام کے ذکر سے ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ ہم اوامر و نواہی کی پوری طرح پابندی کریں جن کاموں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے ان کے قریب نہ جائیں اور جو کام کرنے کی ہدایت ملی ہے وہ کریں۔

چنانچہ آج کل کے تاجر حضرات بھی ناپ تول میں کمی ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعے اپنے مسلمان بھائیوں کی دولت سے اپنی تجوریاں بھر رہے ہوں تو یقیناً اللہ کے غضب کا شکار ہوں گے۔ اور آج کل جو لوگ چوری ڈاکے اور لوٹ مار میں مشغول رہتے ہیں تو ان کے لیے عذاب [illegible] ہے۔

اصحاب الایکہ اپنی نافرمانیوں [illegible] اور لکڑ ڈاکے اور اشیائے ضروریہ میں ملاوٹ، ناپ تول میں کمی اور ناجائز ذرائع سے کمائی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے قہر و غضب کا شکار ہوئے تو اس واقعے سے ہمارا خالق و مالک ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ ہم حضور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات سے صرف نظر کرتے ہوئے اصحاب الایکہ جیسی نافرمانیوں اور حقوق العباد غصب کرنے کے جرم کا ارتکاب کریں گے تو ہمیں بھی اللہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے اور نافرمانوں کے سے انجام میں [illegible] ہے۔

⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙

نمود و نمائش سے گریز

حضور فخرِ موجودات سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے اسلامی اُخوت کی نشان دہی فرمائی کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ یہاں غیریت اور بے گانگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب خالق و مالکِ حقیقی جلّ وعلا اور اس کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب مومنوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دے دیا تو پھر ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے دُکھ سُکھ کا ساتھی کیوں نہ ہوگا۔ ایک کی راحت سے دوسرے کو مسرّت کیوں نہ ہوگی اور ایک کی تکلیف دوسرے کو رنجیدہ کیوں نہ کرے گی۔

ایسے میں اگر کوئی شخص نمود و نمائش کا مرتکب ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے دوسرے مومن بھائیوں پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتا ہے۔ اس نمود و نمائش کے دو پہلو ہیں۔ یا تو کوئی شخص دنیوی شوکت، مالی حیثیت یا اپنے جاہ و منصب پر افتخار کرتے ہوئے تکبّر کو اپناتا ہے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبّر ہوگا وہ جنّت میں نہیں جائے گا۔ بیہقی میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے ایک دن خطبے میں فروتنی، عاجزی اور خاکساری اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ جو شخص اس راہ پر چلا، اللہ تعالیٰ اُسے بلند کرے گا اور جو کوئی تکبّر کا رویّہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے نیچا گرا دے گا۔

سُنن ابی داؤد میں حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ کوئی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرے اور کوئی کسی کے مقابلے میں فخر نہ کرے۔

اسلامی احکام میں فروتنی، خاکساری اور تواضُع کی خاص اہمیت ہے۔ انسان بندہ ہے اور بندے کا فرض ہے کہ اس کے عمل سے بندگی اور نیازمندی ظاہر ہو۔ جب بندہ اس صفت کے بجائے نمود و نمائش کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ گویا بندگی کے قطعاً خلاف رویّہ رکھتا ہے۔ نمود و نمائش کا ہوکا اُسی کو ہوتا ہے جو اخوتِ اسلامی کو اہمیت نہ دیتا ہو۔ اس کا تو مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ متاثر اور مرعوب ہو جائیں، ڈرنے لگیں یا زیادہ احترام کرتے ہوئے پائے جائیں۔ اور یہ صورت بھائی چارے کے دینی تصوّر کے منافی ہے۔

نمود و نمائش وہی بندہ اختیار کرتا ہے جس کے سر میں تکبّر سمایا ہوا ہو۔ جبکہ صفتِ تکبّر تو ذاتِ وحدہٗ لاشریک سے خاص ہے، یہ صفت تو اسی کو زیبا ہے۔ "وَلَـهُ الْـكِبْرِيَـاءُ فِى السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ" "اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کے لیے کبریائی اور بڑائی ہے۔"

بخاری شریف میں ہے: حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اگر انسان اس ارشادِ مبارک پر عمل کرے تو وہ نمود و نمائش کی کیفیت کی طرف راغب ہی کیسے ہو سکتا ہے۔ جب آپ اپنے آپ کو حقیر قرار دیا جانا پسند نہیں کرتے تو پھر اپنی دُنیوی وجاہت یا مالی حیثیت کی نمود و نمائش کے ذریعے دوسروں کو حقیر سمجھنے کی غیر مومنانہ حرکت کیسے کر سکتے ہیں۔

اپنی دولت و ثروت اور دُنیوی شوکت و جاہ کے ساتھ نمود و نمائش کی دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ کوئی بظاہر نیکی کا کام کرے مگر اس کی نمود و نمائش ضروری سمجھے۔ متفق علیہ حدیث پاک ہے: اِنَّـمَـا الْاَعْـمَـالُ بِالنِّيَّـات. عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان کی نیّت نیک ہونی چاہیے کیونکہ تمام اعمال کا بدلہ نیت کے مطابق ملے گا۔ کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، یہ سوچ کر کہ لوگ مجھے پرہیزگار سمجھیں اور میں اس سے کوئی دُنیوی فائدہ حاصل کر لوں۔ کوئی آدمی مسجد بنا دے یا رفاہِ عامہ کا کوئی اور کام کرے اور نیت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی یا لوگوں کی بہبود کے بجائے یہ ہو کہ میں شہرت اور ناموری پالوں، تو وہ گویا اپنی نیکیوں کی نمود و نمائش کرتا ہے، نام کمانا چاہتا ہے، متّقی کہلوانے کا خواہش مند ہے، یہ نام و نمود اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں مردود ہے۔ دکھاوا ہے، ریاکاری ہے۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر نمود و نمائش کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ تھوڑا دکھاوا بھی شرک ہے۔ فرمایا: جس شخص نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا' جس نے دکھاوے کے لیے روزے رکھے اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے خیرات کی اُس نے شرک کیا۔

سیدھی بات ہے کہ جو کام ہمیں رب کریم کی خوشنودی کے لیے کرنا ہے اس کے حکم کی تعمیل میں کرنا ہے اگر ہماری نیت وہ کام کرتے ہوئے بھی دکھاوے کی ہے' اللہ کی رضا جوئی کی نہیں ہے تو یہ شرک ہی ٹھہرا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' حضور پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین آدمیوں کا پہلے حساب ہوگا' عالم وقاری کا کہ اس نے علم کا کیا کیا؟ وہ کہے گا: تیری خاطر لوگوں کو تعلیم دی۔ ثروت مند اور مالدار سے پوچھا جائے گا کہ اس نے مال کا کیا کیا؟ وہ نیکی کی مدات گنوائے گا۔ شہید سے جان کا حساب مانگا جائے گا' وہ کہے گا: تیری راہ میں قربان کر دی۔ رب کریم تینوں کو جانتا ہے' عالم سے کہے گا: تو عالم مشہور ہونے کے لیے' دولت مند کو کہے گا کہ تو نے مخیر کہلوانے کے لیے اور شہید سے کہے گا کہ تو نے جری اور بہادر کہلوانے کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں: آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا ابوہریرہ! سب سے پہلے یہی تینوں دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

اس لیے ہمیں اپنے اعمال سے نمود و نمائش کے پہلو کو خارج کرنا ہے' ہمیں جو اچھا کام کرنا ہے' جو نیکی کرنی ہے' وہ محض اپنے مالک و خالق جلّ شانہٗ کی خوشنودی کے لیے کرنی ہے اپنے نفس کو موٹا کرنے کے لیے نہیں۔ رب کریم ہمیں سیدھی راہ پر چلائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

مسجد کی تعمیر

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے لیے مسجد بنائے' خداوند تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں درج اس حدیث پاک میں حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مسجد کی تعمیر کی اہمیت بیان فرمائی' جو کوئی اللہ کریم کی خوشنودی کی خاطر مسجد تعمیر کرائے گا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دے گا۔

مسجد کے لغوی معنی سجدہ گاہ یعنی سجدے کی جگہ ہے۔ عُرفِ عام میں مسجد اس عبادت گاہ کو کہتے ہیں' جس میں نماز ادا کی جاتی ہے۔ یہ متبرک اور مقدس جگہ ہے۔ بطور احترام مسجد کو ''اللہ کا گھر'' کہتے ہیں۔ سورۂ جن میں ارشاد خداوندی ہے:

''مسجدیں اللہ ہی کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو''۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد کی حدود میں کیا جانے والا ہر کام اور ہر بات اللہ کے احکام کی تعمیل میں ہونا چاہیے۔ سورۂ نور میں فرمایا:

''ان گھروں میں جنھیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کا نام لیا جاتا ہے' ان میں صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں''۔

مطلب یہ ہے کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ اللہ نے انھیں بلند کرنے کا حکم دیا ہے' ان میں اللہ کے نام کی صبح و شام تسبیح کی جاتی ہے اور جو شخص خداوند تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے' اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے ایک گھر بنا دیتا ہے۔ بخاری شریف میں یہ حدیث حضرت عبید اللہ خولانی رضی اللہ عنہ سے اس حوالے سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد تعمیر کی تو لوگ اس ضمن میں باتیں کرنے لگے۔ انھوں نے کہا: تم میرے بارے میں بہت کچھ کہہ رہے ہو لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص خدا کی خوشنودی کے لیے مسجد بنائے' اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اسی طرح کا ایک مکان جنت میں بنا دیتا ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے ظاہر ہے کہ اہمیت مسجد کی تعمیر کی نہیں ہے بلکہ جس وجہ سے مسجد

تعمیر کی جائے' اہم وہ ہے۔ ورنہ مسجد ضرار بھی تو تعمیر کی گئی تھی۔ اگر خدا کی خوشنودی کے علاوہ مسجد کی تعمیر کا کوئی اور مقصد ہوگا تو جنت میں مکان کی بشارت نہیں ملے گی۔ مسجد بنانے والوں یا مسجد کی تعمیر میں حصہ لینے والوں کو یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اگر مسجد بنانے والا کسی کی مخالفت میں' یا ریا کی خاطر یا عامۃ المسلمین کے لیے مختص کسی جگہ پر قبضہ کرنے کی نیت سے ایسا نہیں کرتا' محض خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے یہ نیک کام کرتا ہے تو اسے نہ صرف زندگی بھر بلکہ مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہتا ہے اور جب تک مسجد رہتی ہے اور لوگ اس میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' تعمیر کرنے یا تعمیر میں حصہ لینے والے کے نامۂ اعمال میں ثواب درج ہوتا رہتا ہے۔

پہلے تو مسلمان جب کسی نئے شہر کی بنیاد رکھتے تھے تو سب سے پہلے مسجد کی تعمیر شروع کی جاتی' اس کے بعد ہی کوئی دوسری عمارت تعمیر ہوتی تھی۔ عباسیوں کے دور میں جب بغداد کی تعمیر شروع کی گئی تو سب سے پہلے مسجد ہی کی تعمیر شروع ہوئی۔ مسجد کی تعمیر کے بعد ہی دوسری عمارتوں کی تعمیر کی گئی۔ اسی طرح مسلمانوں نے دہلی پر قبضہ کیا تو سب سے پہلے مسجد قوۃ الاسلام تعمیر کی۔

جہاں حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے مسجد کی تعمیر محض خوشنودیٔ خالق کے لیے کرنے کی ہدایت فرمائی' وہاں یہ بھی فرما دیا کہ مسجد کی تعمیر کا مقصد محض ظاہری شان و شوکت نہ ہو اور مسجدوں کی آرائش یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں کی طرح نہ کی جائے۔ سننِ ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا کہ مجھے خدا کی طرف سے مسجدوں کو بلند اور شاندار بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یقیناً تم لوگ اپنی مسجدوں کی آرائش و زیبائش اسی طرح کرنے لگو گے جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی عبادت گاہوں میں کی ہے۔

نسائی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' حضور رسولِ انام علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں کے بارے میں لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی بڑائی ظاہر کرنے لگیں گے۔

مقصد یہ ہے کہ مساجد کی تعمیر میں ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ سے زیادہ سادگی مناسب اور پسندیدہ ہے اور اصل بات یہ ہے کہ تعمیرِ مسجد سے اللہ تعالیٰ کی خوشی مقصود ہو اور مسجدیں زیادہ شان و شوکت والی نہ بھی ہوں' مگر آباد ضرور رہوں۔ تعمیرِ مسجد کے بعد اس شخص کا

مرتبہ ہے جو اسے آباد رکھنے اور صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ سورۂ توبہ میں ہے:

''اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں''۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خدا تعالیٰ کے نزدیک آبادیوں میں محبوب ترین جگہیں مسجدیں ہیں اور بدترین مقامات بازار ہیں''۔

اس کا مقصد یہ نہیں کہ بازار جہاں خرید و فروخت ہوتی ہے' اس سے ہمیں دور رہنے کے لیے کہا گیا ہے یا خرید و فروخت ممنوع قرار دے دی گئی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ مسجد وہ جگہ ہے جہاں زیادہ تر اچھے کام لیے جاتے ہیں اور بازار میں راہِ حق سے ہٹنے کے بہت سے مواقع موجود ہوتے ہیں۔ یہاں خدا تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے' وہاں نفع نقصان کے چکر میں کئی بے راہرویاں اور گمراہیاں جنم لیتی ہیں۔ ورنہ جن مساجد میں سازشیں جنم لیں یا جو مسجد سازش کے لیے بنائی جائے' وہ کسی طرح اچھی نہیں اور جو تاجر اللہ سے ڈرے' جھوٹ نہ بولے اور کرنے اور نہ کرنے کے جو کام خدا اور رسولِ خدا ﷺ نے بتائے ہیں' ان کا خیال رکھے' وہ قرآن و احادیث کی رُو سے' سب سے اچھا ہے۔

مسجد مسلمانوں کے لیے محض عبادت گاہ ہی نہیں ہے بلکہ اسے ہماری معاشرتی زندگی میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی معاشرتی' سیاسی' اقتصادی' تعلیمی اور فوجی سرگرمیوں کا مرکز بھی تھی۔ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دربار بھی یہی ہوتا تھا۔ یہیں بیٹھ کر آپ مسلمانوں کے باہمی مسائل سُلجھاتے تھے' دین کی تعلیم دیتے تھے' کرداروں کو سنوارتے تھے' قومی مسائل حل فرماتے تھے' بین الاقوامی معاملات پر غور فرماتے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کرتے تھے۔

اب بھی ہمیں اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے کہ مسجد کی تعمیر کا گرانقدر صلہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہاں نہ صرف عبادت کی جاتی ہے بلکہ حُسنِ معاشرت کی راہیں سُوجھتی ہیں' اجتماعیت کا شعور پیدا ہوتا ہے' مُساوات کی تربیت ہوتی ہے۔ اُمّتِ مُسلمہ کی دینی تربیت کے علاوہ دُنیوی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور تربیت و حفاظت میں بھی مسجد کا بڑا دخل ہے۔ یہاں ہم دن بھر میں پانچ مرتبہ مل بیٹھتے ہیں۔ مل کر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم میں یہ احساس بیدار ہوتا ہے کہ ہم میں

کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہے اور

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے''

کی حقیقت ہم پر کھلتی ہے۔ ہم مسجد میں 'مساوات و اخوت کی اسلامی تعلیم کی عملی شکل دیکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر عبادات میں شغف بڑھتا ہے۔ شوق پیدا ہوتا ہے کہ میں بھی دوسروں کی طرح یا ان سے بھی زیادہ نیکیاں کروں اور ثواب کماؤں۔

مسجد میں ہمیں صرف خدا کی خوشنودی ہی کی باتیں کرنا ہوتی ہیں لیکن ہر نماز کے بعد جب ہم اکٹھے مسجد سے نکلتے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کے معاملات سے آگاہی ہوتی ہے۔ کسی کے دکھ درد یا کسی کی خوشی کی اطلاعات ملتی ہیں' میل ملاپ بڑھتا ہے اور اخوت اسلامی کی تعمیر ہوتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ذاتی مسائل میں دلچسپی لیتے ہیں اور انھیں حل کرنے کی سعی کرتے ہیں تو آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ کوئی نمازی خود یا اس کا کوئی دور نزدیک کا رشتہ دار یا دوست بیمار ہے تو کوئی دوسرا شخص اس کا حال سن کر کوئی علاج بتا دیتا ہے' کسی کے پاس ایسی دوا مل جاتی ہے جو عام طور پر دستیاب نہیں ہوتی۔ یا کوئی شخص بیمار کی عیادت کے لیے چلا جاتا ہے تو جہاں اسے ثواب ملتا ہے' وہاں بیمار کو بیماری کا احساس کم ہوتا ہے۔ بیگانگیاں ختم ہوتی ہیں' اپنائیتیں بڑھتی ہیں۔ خدا اور رسولِ خدا (جل شانہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں معاشرے کو جنت نظیر بنانے کے لیے جو راہیں سُجھائی ہیں اور جو ہدایتیں فرمائی ہیں' ان پر عملدر آمد مسجد میں جانے کی وجہ سے آسان ہو جاتا ہے۔

پھر اس طرح ہر روز ملنے سے انفرادی مسائل و مشکلات کے ساتھ محلے کے مسائل' شہر کے مسائل' ملکی حالات اور بین الاقوامی صورت حال پر گفتگو ہوتی ہے اور ارباب دانش و حکمت دوسروں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں اور یوں ایک خوشحال معاشرہ جنم لیتا ہے اور...... یہ سب خوبیاں اس اصل خوبی سے جنم لیتی ہیں کہ مسجد تعمیر کرنے والے نے بھی خدا کی خوشنودی کی خاطر ایسا کیا اور مسجد میں آنے والے بھی خدا کی عبادت کی خاطر یہاں آتے ہیں۔ اسی لیے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا کی خوشنودی کی خاطر مسجد تعمیر کرتا ہے' اللہ کریم اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے۔

(مطبوعہ ہفت روزہ "پاک جمہوریت" لاہور۔ ۲۳ تا ۲۹ اپریل ۱۹۸۵)

❁❁❁❁❁

احتساب نفس کی ضرورت

اسلامی اقدار اعلیٰ ترین انسانی خصائل و عادات سکھاتی ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمیں اپنے کردار کو دنیا کے سامنے مثال بنا کر پیش کرنا چاہیے تھا' ہم دنیا کی امامت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ہمیں عالم کی اصلاح کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ لیکن ہم اسفل ترین بُرائیوں میں گھر کر رہ گئے ہیں۔ ''من حیث القوم'' ہم میں وہ تمام خصائص و کمالات عنقا ہو چکے ہیں جو ہمارے آقا و مولا فخر موجودات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کے باعث ہم میں پیدا ہوئے تھے اور جن کے باعث ہم نے دنیا بھر کو تسخیر کر لیا تھا۔ ہم میں سے جو شخص جس شعبے میں ہے کم سے کم اخلاقی خوبیوں سے متصف ہے۔ حقوق العباد غصب کرنے میں ہم شیر ہیں۔ عبادات و عقائد سے ہم دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اخلاقی اور معاشرتی برائیاں ہماری گھٹی میں پڑ گئی ہیں۔ اپنی بہنوں اور ماؤں کو بنا سنوار کر ہم بازاروں اور گلیوں اور کوچوں میں کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر ہمی ہیں جو ان پر آوازیں کستے ہیں' ان کے ساتھ بد سلوکی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کاروبار میں بددیانتی ہمارا شعار ہے۔ ملاوٹ کر کے اپنے مسلمان بھائیوں کے قتل عمد کا ارتکاب ہم کرتے ہیں۔ کم تولتے ہیں' جھوٹ بولتے ہیں' ناجائز منافع خوری' سمگلنگ' ذخیرہ اندوزی' چور بازاری کرتے ہیں۔ اس طرح ہم عوام کے جسم و جان کے رشتے کو توڑنے میں ہمہ تن مصروف ہیں تاکہ ملک و قوم کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے۔ دفتروں میں ہم کام نہیں کرتے' رشوتیں لیتے ہیں' سفارشیں مانتے اور سفارشیں کرتے ہیں۔ اگر ہم مزدور ہیں تو نعرہ بازی کرنا چاہتے ہیں۔ سیاسی لیڈر ہیں تو عوام و خواص کو دھوکا دینا اپنا پرم دھرم سمجھتے ہیں۔ عالم ہیں تو اپنی ذات یا اپنے محدود گروہ اور جماعت کی خیر چاہتے ہوئے قرآن و حدیث میں تحریف تک کر جاتے ہیں۔ تاجر ہیں تو لوگوں کو لوٹ کر کھا جانا چاہتے ہیں۔ حاکم ہیں تو خدا کے خوف سے بے نیاز ہیں۔ محکوم اور عامی ہیں تو دنیا بھر کی خرابیوں کا ذمّہ دار حاکموں کو گردانتے ہیں۔ اپنی ذمّہ داریوں کا احساس نہیں کرتے۔

غرضیکہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ کوئی آدمی ذات کا احتساب نہیں کرتا۔ کوئی فرد اپنی اصلاح نہیں کرنا چاہتا' قوم کی اصلاح کے دعویدار سب ہیں۔ جو شخص انفرادی اور اجتماعی سطح پر بے ایمانی اور بددیانتی کرتا ہے' اسے قوم کی خدمت کا روپ دے کر ملمع کر کے اور خول چڑھا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ کوئی ہے جو اس صورتحال کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے۔ کوئی ہے جو عملاً اپنی اصلاح پر مائل ہو۔

ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک فرد اور گروہ دوسرے افراد اور جماعتوں کے خلاف گفتگو کرتا ہے۔ ہر شخص معاشرتی بُرائیوں پر قلم اٹھاتا ہے' زبان کھولتا ہے۔ ہر آدمی قومی اِدبار اور اجتماعی زوال کے اسباب کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مسلمان کی حالتِ زار کا ہر محفل میں چرچا ہوتا ہے۔ ملک وملّت کی فلاح' بقا' سالمیّت اور استحکام پر مذاکرے ہوتے ہیں' کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ ان افراد کا تذکرہ ہوتا ہے جو مملکتِ خداداد کی ترقی کے بجائے منفعتوں کے کاروبار میں اُلجھے رہتے ہیں۔ مگر کوئی شخص' کوئی ادارہ' کوئی گروہ' کوئی جماعت احتسابِ نفس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ ہم دنیا بھر کی بُرائیوں کا ذکر ناک بھوں چڑھا کر کرتے ہیں۔ مگر نہیں سوچتے کہ ان میں سے کتنی خامیوں اور برائیوں کے ہم خود شکار ہیں۔ ہم میں سے کوئی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ جلبِ منفعت کی دوڑ میں ہم خود دن بھر کتنے کام خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا کے خلاف کرتے ہیں۔ کتنے کاموں سے ہم نے ملک وقوم کے مفاد کو نقصان پہنچایا ہے۔ ہم زورِ بیان یا زورِ قلم میں جن معاشرتی عوارض کا ذکر تنفّر انگیز طریقے سے کرتے ہیں' ان میں سے کتنے عوارض خود ہماری جان کا روگ بنے ہوئے ہیں۔ ہم اپنے گریبان میں منہ تو ڈال کر دیکھیں کہ خود ہمیں اصلاح کی کس قدر ضرورت ہے۔

پاکستان ہمارا پیارا ملک ہے۔ یہ مملکتِ خداداد ہم نے اسلام کی خاطر حاصل کی تھی۔ اس میں اسلامی اقدارِ حیات کو فروغ دینا اور اسلامی نظامِ ریاست کے ذریعے مملکت کا نظام چلانا تھا' مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا۔ ہم نے ہر شعبۂ زندگی میں اسلام سے بیگانگی کو شعار بنائے رکھا' اور نہ انفرادی' نہ اجتماعی زندگیوں میں اس کے عمل دخل کو گوارا کیا۔ ہم نے گروہی' جماعتی اور ذاتی مفادات کو قومی تقاضوں اور ملّی ضرورتوں پر فوقیت دی۔ ہم نے علاقائی' لسانی جھگڑوں

سے ملک کی حسین فضا کو مکدّر کر دیا۔ ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں دیانت داری' محنت اور جانفشانی سے ہمیشہ منہ موڑا۔ ہم نے رشوت' سُود' شراب' جوئے' زنا اور دیگر معاشرتی برائیوں کو اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ہم نے حیا' شرافت' نیکی' اُخوّت اور دیگر اچھائیوں سے قطع تعلق کر دیا۔ ہم نے بہتان طرازی' سبّ وشتم اور استہزا کو عام زندگیوں میں فروغ دیا۔ ہم نے قتل' اغوا' ڈکیتی' چوری کو سائنٹفک طریقوں پر منظم کیا۔ ہم نے برائیوں کے خلاف جہاد کے بارے میں سوچنا بھی گوارا نہ کیا۔ ہم نے ہر ادارے اور شعبے کو بدکرداری کا اکھاڑا بنا دیا۔ اب معاشرے میں دولت کے علاوہ کسی قدرِ حیات کی کوئی عزت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ شرافت سر نیہوڑائے کھڑی ہے اور بدمعاش دندناتی پھر رہی ہے۔ سیاست کے گندے کاروبار نے لوگوں کا مزاج بگاڑ دیا ہے۔ پست حرکات عام ہوتی جا رہی ہیں۔ عریانی وفحاشی کا دور دورہ ہے۔ ایسے میں اسلامی نظامِ اُخلاق کے حامیوں اور محبّت کے پیامیوں کا فریضہ اہم ہے' سیاست کے لیے قربانیاں دینے والے اور سیاسی مقاصد ومصالح کی خاطر کام کرنے والے ہزاروں ہیں۔ ملک میں سیکڑوں' انجمنیں' بیسیوں جماعتیں بڑے بڑے اسلامی اور انقلابی پروگرام رکھتی ہیں۔ ہمارے عزیز' بہادر اور جری طلبہ اسلام کے خلاف اُبھرنے والی ہر آواز کے استیصال کی قوت رکھتے ہیں۔ اور بھی بہت سے فرد اور جماعتیں نیکیوں کی نام لیوا ہیں۔ کیا ان سب کی ذمہ داری نہیں کہ وہ سیاست' تعلیم اور دیگر اہم شعبوں میں اپنے کام کے ساتھ ساتھ قوم کی اُخلاقی حالت کو سُدھارنے کی طرف بھی توجُّہ دیں۔

روحانی اقدار کے موجودہ دورِ انحطاط میں لادینی افکار ونظریات کے لیے نہ صرف جرائد وصحائف مختص ہیں بلکہ اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ بھی شدّ ومد سے لادینیت اور دین بیزاری کی تبلیغ وتشہیر میں مصروف ہیں۔ سوشلزم کی چکاچوند معاشی بدحالی کی زبوں کاریوں اور دعوتِ اسلامی کے ابلاغ میں اِخلاص اور تکنیک کے لحاظ کمزوریاں' عام مسلمان کے دل سے دین کی محبّت کو کمزور کرنے میں ممد ومعاون ہوتی ہیں۔ اور اس طرح غیر اسلامی نظاموں کے علمبرداروں کے عزائم مذمومہ کے پورا ہونے کی راہ ہموار ہوتی جا رہی ہے' ایسے میں فکری محاذ پر عامۃ المسلمین کو تسلسُل وتواتُر کے ساتھ اسلامی نظام کی سیاسی' معاشی اور معاشرتی برکتوں سے آگاہ کرنا ایک مستقل مقصد ہے۔

اسلامی نظریات و عقائد سے نئی نوجوان نسل کو بیگانہ رکھنے کی کوشش جاری ہے اور ملک کے مستقبل کے معماروں کو مغرب کی چچوڑی ہوئی ہڈیاں خوانِ نعمت کی اعلیٰ ترین صورت میں پیش کی جاتی ہیں۔ نوجوان پود کو دین سے بیگانہ کرنے کی سعیِ نامشکور ہر محاذ پر جاری ہے جس کے نتیجے میں ممکن ہے ہم نام کے مسلمان رہ جائیں اور بعض لوگ ایک مذہب کے طور پر چند رسومات کی حد تک اسلام سے مانوس بھی رہیں مگر دینِ قیم کے ایک کامل و اکمل نظام ہونے کا تصوّر ناپید ہونے کا خدشہ جوان ہو رہا ہے۔ چنانچہ مثبت انداز میں اسلامی نظریات و عقائد کی اہمیت واضح کرنا اور لوگوں کو یہ یقین دلانا بہت ضروری ہے کہ اسلام ہی میں دنیائے انسانیت کے ہر دکھ کا علاج ہے۔

جہاں اسلامی عقائد سے بُعد اور لادینیت سے قرب کے خلاف جہد ضروری ہے وہاں اُن فتنوں کا استیصال زیادہ اہمیت رکھتا ہے جو غیر اسلامی نظاموں کا نام بھی نہیں لیتے، اسلام کے خلاف بھی کوئی راگنی نہیں گاتے مگر ان دونوں مقاصدِ مذکورہ کے حصول کی خاطر زیادہ مؤثر راہ اختیار کر رہے ہیں۔ یعنی قوم کو بے راہ روی اور گمراہی کی ڈگر پر چلانا چاہتے ہیں اور اخلاقیات کو ہماری قومی زندگی سے نکال باہر رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے وہ مختلف النوع حربے استعمال کر رہے ہیں اور اپنے ان حیلوں میں کامیاب بھی ہیں۔ خواتین کو بے حیائی کا زیور پہنا کر اور عصمت و عفت کے پردے سے نکال کر سڑکوں اور بازاروں کی زینت بنا دیا گیا ہے۔ ارزاں جنسی ادب کی فراوانی ہے۔ شہوانیات کو زندگیوں کے مرکز و محور کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ دولت کے لیے مسابقت سے بے انتہا جرائم جنم لے چکے ہیں۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت ختم ہو گئی ہے۔ ہر کوئی دوسرے کا مال کھا رہا ہے، دھوکا دے رہا ہے، بہتان باندھ رہا ہے۔

غرض تمام معاشرتی برائیاں ہم میں سما گئی ہیں۔ ایسے میں ہم جب تک احتسابِ نفس نہیں کرتے بات نہیں بنے گی۔ ہم میں سے ہر آدمی سوچے کہ معاشرے کی اصلاح کی اساس کے طور پر اپنی اصلاح میں کس قدر کامیاب ہے۔ وہ غور کرے کہ اسلامی نظام کے مختلف شعبوں کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟

(مطبوعہ ماہنامہ "انوار الصوفیہ" قصور، نومبر دسمبر ۲۰۰۷ء)

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی عالمگیریت

اسلامی بین الاقوامیت کے تصوّر کی تشکیل، مابعد الطبیعیات سے ہوتی ہے۔ اس کی اکملیت اور جامعیت کی قوت کا سرچشمہ زبانِ حق ترجمان معجزات سے پھوٹا ہے۔

تعلیماتِ نبویؐ کی عالمگیریت کا مرکزی نکتہ سرو سدا بہار کی طرح خزاں کی امر بیل کی دستبرد سے محفوظ و مامون ہے اور اس فکر سے دوری کی تہذیب انسان کو کھو کر خرد کو پاتی ہے۔ چنانچہ اسے فکر و عمل کی دنیا میں خیر اور اطلاع کے سوا کچھ نہیں ملتا جبکہ نصابِ رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق مرتب شدہ تہذیب کا حیطۂ اثر بین الاقوامی ہے۔ جسم و روح کی جہاں جہاں عملداری ہے، وہاں یہ طہارت بکھیرتی ہے۔

دل رفعتوں اور برائیوں کا اثر قبول کرنے لگیں تو پسیجتے ہیں۔

قلم مدحت و ثنائے تعلیماتِ نبویؐ میں سرنگوں ہوں تو حرف و الفاظ سرفراز ہوتے ہیں۔

زبانِ تہذیب کی آفاق گیریت کے نغمے گائے تو اپنی ہستی کا جواز ثابت کرتی ہے۔

آنکھیں زبانِ حال سے تمدّنِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمگیریت کے گن گانے پر مجبور ہیں۔

کنزِ مخفی کے ظاہر ہونے میں پنہاں راز بھی شاید یہی تھا کہ درس گاہِ صُفّہ سے روشن ہونے والی مشعل کائنات میں اجتماعیت کا نور پھیلا دے۔

ضلالتِ کفر کے متعلقین بھی دل کی آنکھیں کھولتے ہیں تو تعلیم ثقافتِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے اپنے آپ کو متاثر پاتے ہیں۔

اس عالمگیر تہذیب کے Idealism اور Positivism کے خوبصورت امتزاج نے تہذیبوں کی آنکھیں چندھیا دی ہیں۔

یہ تہذیب ایک آئیڈیالوجیکل سٹیٹ وجود میں لائی، جس کی آئینہ کاری دنیا کے تمام

انسانوں کے لیے کھلی دعوت نظارہ تھی کہ اس کی برگ وبار بردار ساعتوں کو نگاہوں کے ذریعے ذہن ودل میں بسا کر اکھٹے ہو جائیں۔

مواخات مدینہ کی رگ و پے میں Economic Brotherhood کی برق آسا معنویت ہے تو میثاق مدینہ کے ۵۲ نکات میں منزل عظمت انسانیت کی خاطر بادیہ پیمائی کے لیے پروانۂ راہداری ہے۔ اس راہ کے راہی غیریت کے چولے اتار پھینکتے اور اپنائیت کا ملبوس زیب تن کرتے ہیں۔ یہاں قبائلی عصبیت کی متنوع آب وہوا عدم آشنا ہوتی ہے اور ہر ذی روح کی جان و مال کے تحفظ کی ضمانت حیات آموز نظر آتی ہے۔ حقوق انسانی کی محافظ تعلیمات نبوی ہیں یو۔ این۔ او یا میگنا کارٹا نہیں۔

خاک طیبہ سے نمو پانے والا انداز فکر کوہسار شب کے سینے سے اپنے لیے صبح مسرت کی راہ تراشتا ہے اور طہارت روح کے ذریعے

ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

پیدا کرتا ہے۔

اس میں اُبلتے سوتوں سے کائنات انسانیت حقائق کی سرزمین کو سیراب کرتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ تہذیبی ہمہ گیری حقائق پسندوں کے اوقیانوس قلوب کے عُمق پر اثر انداز ہوتی ہے' جذبات صدق آشنا کی لہروں پر اُچھلتی اور ساحل اخلاص پر موتی اُنڈیلتی ہے' اس عالمگیر تہذیب کا روشن اُفق دھنک رنگ ہے۔

زندگی را شرع و آئین است عشق — اصل تہذیب است دیں دین است عشق

کَآفَّةً لِّلنَّاس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین و فرمودات معاشرتی نظام میں شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی فضاؤں کو تکریم انسانیت کا درس دیتے ہیں۔ بیہقی نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان سنایا کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔

تکریم انسانیت کے مضراب سے تارہائے رگ جاں کو جنبش ملے تو سکون وطمانیت کے نغمے چھڑتے ہیں۔

فرمودات سرکار (علیہ التحیۃ والثناء) دلوں کے کینوس کو بے داغ کرتے ہیں...... کہ سلیقہ تاب رنگوں کے امتزاج سے ایک دلآویز تصویر اسی صورت بن سکتی ہے۔

ورنہ تہذیب حاضر نے تو لوگوں کو دنیا کی محبت کے پھندے میں پھنسا رکھا ہے' مفادات کا اسیر کر دیا ہے' نسل وزبان ورنگ کی حد بندیوں میں جکڑ دیا ہے۔ ہر شخص اپنی ذات میں گم ہے یا حرص وہوا کے پنجرے میں مقید ہے یا حسد اور کینہ کی بریکٹ میں بند ہے۔ یوں انسان کو شیطنت کا غلام' سفلیات کا ہیولیٰ' خواہشات کا بندہ اور رذائل اخلاق کے دیوتاؤں کا پجاری بنا دیا گیا ہے۔ وہ بے بصری کا بند اُٹھائے پھرتا ہے۔

تہذیب حاضر نے تو ''رقابت' خود فروشی' ناشکیبائی' ہوسناکی'' سکھائی ہے۔ یہ تو ٹوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے۔

شیشۂ تہذیب حاضر تو مے' نفی معبود سے لبالب ہے۔ ساقی کے ہاتھ میں پیمانۂ اثبات توحید نہ ہو تو بے یقینی و نابصیری نوشتۂ تقدیر ہے۔

اُلجھے ہوئے دماغ' پتھرائی ہوئی آنکھیں' نڈھال قویٰ' بے حس ضمیر' خوابیدہ دل اور مُردہ روحیں عالمگیر تہذیب کے آفتاب جہاں تاب کی طرف سے آنکھیں مُوند بھی لیں تو بھی حقیقتوں کی تابانیاں حرف غلط نہیں بنتیں۔

(سالانہ صوبائی سیرت کانفرنس' منعقدہ الحمرا لاہور (۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ/ ۹ مارچ ۲۰۰۹ء) میں پڑھا گیا)

❁❁❁❁❁

نعت کے موضوع پر دُنیا میں سب سے زیادہ کام کرنے والے

(شاعرِ نعت) راجا رشید محمود کے

۴۸ مطبوعہ مجموعہ ہائے نعت (اردو)

ورفعنا لک ذکرک	حدیثِ شوق	منشورِ نعت
سیرتِ منظوم	۹۲	شہرِ کرم
مدیحِ سرکار ﷺ	قطعاتِ نعت	حی علی الصلوٰۃ
مخمساتِ نعت	تضامینِ نعت	فردیاتِ نعت
کتابِ نعت	حرفِ نعت	نعت
سلامِ ارادت	اشعارِ نعت	اوراقِ نعت
مدحتِ سرور ﷺ	عرفانِ نعت (صوبائی نعت ایوارڈ)	دیارِ نعت
تسبیحِ نعت	صباحِ نعت	احرامِ نعت
شعاعِ نعت	دیوانِ نعت	منتشراتِ نعت
منظومات	تجلیاتِ نعت	وارداتِ نعت
بیانِ نعت	مینائے نعت	حمد میں نعت
التفاتِ نعت	عنایتِ نعت	مرقعِ نعت
نیازِ نعت	بستانِ نعت	سرودِ نعت
جوشِ نعت	صدائے نعت	منہاجِ نعت
متاعِ نعت	قندیلِ نعت	ذوقِ مدحت
فانوسِ نعت	مشعلِ نعت	کہکشانِ نعت

..........ان مجموعہ ہائے نعت میں موجود کاوشیں..........

حمدیں = ۲	حمد و نعت = ۲	قطعات = ۵۸۹
غزل کی ہیئت میں نعتیں = ۴۳۴۸		ان میں موجود اشعار = ۲۵۸۴۵
فردیات = ۴۴۳۳	مخمسات = ۲۶	تضمینیں = ۵۳
تخمیسیں = ۱۳	مثلث = ۳ (۲۷ بند)	مسدس = ۵ (۱۸ بند)
	مربع = ۱ (۷ بند)	

..........ان ۴۸ مجموعہ ہائے نعت کے صفحات = ۵۳۰۴..........

شاعرِ نعت کے مطبوعہ مجموعہ ہائے نعت (پنجابی)

نعتاں دی ڈالی (صدارتی ایوارڈ)　　حق دی تائید　　ساڈے آقا سائیں ﷺ

..........صفحات = ۴۴۸

مطبوعہ مجموعہ ہائے حمد

....

سجودِ تحیت　　خدائے شہرِ زمن

..........صفحات = ۴۴۸..........

تحقیقِ نعت (مطبوعات)

پاکستان میں نعت	خواتین کی نعت گوئی
غیر مسلموں کی نعت گوئی	نعت کیا ہے؟
اقبالؒ و احمد رضاؒ: مدحت گرانِ پیغمبرؐ	انتخابِ نعت
مولانا ضیاء الدین قیصوریؒ اور ان کی نعت گوئی	مقدمہ "نعت کائنات"
اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا۔ جلد اول، جلد دوم	مدحت سرایانِ حضور ﷺ
شاعرانِ نعت	نعت میں ذکرِ میلادِ سرکار ﷺ

صفحات = ۲۷۰۴

۱۹۹۷ میں نعت کے موضوع پر گرانقدر تحقیق کرنے پر صدارتی ایوارڈ ملا۔ موضوع کا واحد ایوارڈ

....

تخلیق مناقب

مناقبِ صحابہؓ

(عنوانات: حمدِ باری تعالیٰ۔ نعتِ حبیبِ کبریا ﷺ۔ آباءِ سرکارؐ۔ مومنِ اول۔ اُمہات المومنینؓ۔ پنجتن پاک۔ بنات النبی۔ اصحابِ رسولؐ۔ خلفاء راشدین۔ حضرات شیخینؓ۔ عشرہ مبشرہؓ۔ دامادانِ پیغمبرؐ۔ حضرات حسنینؓ۔ صحابہ کرامؓ۔ انصارِ مدینہ۔ غلامانِ سرکار ﷺ۔ شاعرانِ دربارِ رسول ﷺ۔ اصحابِ صفہ۔ صحابہ و اہلِ بیت۔ صحابیات)

منظومات: ۱۳۵　　..........صفحات = ۴۴۴

تدوینِ نعت (مطبوعہ کاوشیں)

مدحِ رسول ﷺ — نعتِ خاتم المرسلین ﷺ — نعتِ کائنات
نعتِ حاوۃ — قلزمِ رحمت — مدحِ سرورِ کونین ﷺ
فنِ نعت — لاکھوں سلام (دو حصے) — رنگِ منتخب (تین حصے)
نعت کیا ہے؟ (چار حصے) — نعت ہی نعت (سولہ حصے) — کلامِ ضیاؔ (دو حصے)
غیر مسلموں کی نعت (چار حصے) — سلامِ ضیاؔ (دو حصے) — آزاد بیکانیری کی نعت
حسن بریلوی کی نعت — قریب سہارنپوری کی نعت — علامہ اقبال کی نعت
بہزاد لکھنوی کی نعت — اختر الحامدی کی نعت — محمد حسین فقیر کی نعت
شیدا بریلوی اور بسمل نظری کی نعت — کافی کی نعت — لطف بریلوی کی نعت
ہو برعظمی کی نعت — عبدالقدیر حسرت کی حمد و نعت — فقیر فاروقی کی نعت
حفیظ صدیقی کی نعت — عابد بریلوی کی نعت — نعتِ قدسی
عربی نعت — وارثیوں کی نعت — نعتیہ مسدس
آزاد نعتیہ نظم — نعتیہ رباعیات — نعتیہ مخمسیں
نورِ علی نور — استغاثے — موجِ نور
رسول نمبروں کا تعارف (چار حصے) — فیضانِ رضا — حضورؐ کے لیے لفظ "آپ" کا استعمال

=۱۲۳۰۱ صفحات

تدوینِ حمد

حمدِ باری تعالیٰ — نقوش قرآن نمبر جلد چہارم (اردو حمد) — حمدِ خالق

=۳۰۰۳ صفحات

تدوینِ مناقب

مناقب سید ہجویرؒ — مناقب داتا گنج بخشؒ — مناقب خواجہ غریب نوازؒ
مناقب غوث اعظمؒ — مناقب سید ہجویر داتا گنج بخشؒ — مناقب بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ

=۱۰۰۲ صفحات

ماہنامہ "نعت" لاہور کی جنوری ۱۹۸۸ سے دسمبر ۲۰۰۷ تک باقاعدہ اشاعت کے ۲۰ سال = ۲۶۵۸۰ صفحات

سینکڑوں مقالات نعت، رسول، ادبی اور تنقیدی مقالات، متفرق احادیث کی تشریح، "حسبِ دستور" اور "مطلوع" کے کالم، کتب سیرت النبی ﷺ میں پائے جانے والے بعض تسامحات کی تحقیق و تفتیش کے ساتھ مضامین و مقالات، تحقیقی ادوار میں لکھے گئے مقالات، تصوف، صحابہ کرام، اولیاء عظام اور صلحائے امت کی منظوم مداحی۔
(ایوانِ نعت رجسٹرڈ کے صدر، سید ہجویر نعت کونسل کے چیئرمین، مجلسِ سخن رجسٹرڈ اور انجمن خادمانِ اردو کے جنرل سیکرٹری، ایوانِ درود و سلام، نعت کدہ، تحریکِ فلاح اور ایوانِ سیرت کے بانی)

دیگر موضوعات

سیرت رسول خیر ﷺ

نزولِ وحی — شعبِ ابی طالب — حضور ﷺ کی عاداتِ کریمہ
تسخیرِ عالمین اور رحمت للعالمین ﷺ — حضور ﷺ اور بچے — محبتِ سرکار ﷺ
درود و سلام — میلاد النبی ﷺ — میلادِ مصطفیٰ ﷺ
مدینۃ النبی ﷺ — عظمتِ تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ
جہاتِ سیرتِ حضور ﷺ — =۱۹۸۸ صفحات

اسلامیات

احادیث اور معاشرہ — ماں باپ کے حقوق — حمد و نعت
قادیانی: ایک تعارف — قربانی: محبت
محمد مصطفیٰ ﷺ کے بہترین پہلو — =۵۰۹ صفحات

تراجم (انگریزی اور عربی سے)

الخصائص الکبریٰ از امام سیوطی — فتوح الغیب از غوث اعظم — تعبیر الرؤیا منسوب بہ امام ابن سیرینؒ
نظریۂ پاکستان اور نصابی کتب — =۹۶۳ صفحات

نصابیات

نصابی کتب: تدوین سے طباعت تک — نصابی کتب: آراء و افکار =۶۷۰ صفحات
۱۹۸۷ "دری کتاب" برائے جماعت اول کے مصنف اول — ۱۹۸۸ دری کتاب برائے جماعت دوم کے مصنف اول
موجودہ "میری کتاب" برائے جماعت دوم کے مصنف اول — موجودہ "اردو کی ساتویں کتاب" کے ایڈیٹر
۱۹۶۸ سے ۱۹۹۵ تک اردو کی نصابی کتب کے ایڈیٹر

بچوں کے لیے نظمیں

راج دلارے =۹۶ صفحات

تاریخ / پاکستانیات

تحریکِ ہجرت ۱۹۲۰ — اقبال، قائداعظم اور پاکستان — قائداعظم: افکار و کردار
=۸۴۷ صفحات

سفرنامے

سفرِ سعادت منزلِ محبت — دیارِ نور — سرزمینِ محبت
نعت کے سائے میں =۵۹۰ صفحات

۱۹۹۹ کا صوبائی سیرت ایوارڈ

تمام تصانیف و تالیفات کے مجموعی صفحات = ۲۶،۹۹۱

راجا رشید محمود کی چند تصانیف

شاعرانِ نعت

قدسی، کفایت علی کافی، امیر مینائی، احمد رضا بریلوی، اکبر وارثی میرٹھی، حیات وارثی لکھنوی، دلو رام کوثری اور لالہ لچھمی نرائن سخا کی نعتیہ شاعری پر تحقیقی مقالات۔

مدحت سرایانِ حضور ﷺ

علامہ اقبال، حسن رضا بریلوی، حافظ پیلی بھیتی، غریب سہارنپوری، محسن کاکوروی، ضیاء القادری بدایونی اور حفیظ جالندھری کی نعتیہ شاعری کا تجزیہ و محاکمہ

نعت میں ذکرِ میلادِ سرکار ﷺ

نورِ سرکار ﷺ کا ظہور۔ قصیدہ ہائے نور۔ حضور ﷺ لباسِ بشریت میں۔ ربیع الاول۔ ۱۲ ربیع الاول۔ حضور ﷺ کی آمد آمد کا ذکر۔ صبحِ ولادت۔ میلادیہ قصائد۔ میلادیہ مسدس۔ میلادیہ مخمس۔ میلادیہ مثلث۔ میلادیہ مثنویاں۔ میلادیہ نظمیں۔ آزاد نظمیں۔ میلادیہ نعتیں۔ میلادیہ نعتوں اور نظموں کا حوالہ۔ جشنِ ولادت۔ عید میلاد النبی ﷺ۔ محافلِ میلاد۔ میلادِ سرکار ﷺ، غیر مسلموں کی نظر میں

مشعلِ نعت

شاعرِ نعت راجا رشید محمود کا ۲۷واں اردو مجموعۂ نعت

کہکشانِ نعت

۲۸واں اردو مجموعۂ نعت

جہاتِ سیرتِ حضور ﷺ

سیرت النبی ﷺ کے ۲۲ پہلوؤں پر نظر

زیرِ طبع:

ختمِ نبوت اور سارقِ ختمِ نبوت

Monthly **"NAAT"** Lahore

LRL 157